

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا
اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی
سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللہ

بَلِّغْ مَنْ لَوْفِي بَعْدَهُ وَالتَّقَى

فَاِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

”ہاں جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور تقویٰ

اختیار کرے تو اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔“

الهامی ادب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً - وَلَا
تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ - إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٢٠٠﴾
فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاغْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠١﴾

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ
اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح
دشمن ہے۔ پھر اگر واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد
(راہ حق سے) تم لڑکھڑائے تو جان رکھو کہ اللہ غالب
(اور) حکمت والا ہے۔“ (البقرہ: ۲۰۰-۲۰۱)

جل اللہ



مجلد نمبر ۱۹ - جنوری ۱۹۹۹ء

مدیر محمد اعظم خان

نائب مدیر انیس الدین

اسر شہارے کے مضامین

- ۱۔ حدیثِ دل ادارہ صفحہ نمبر ۲
- ۲۔ ماہِ صیام منور سلطان ۴
- ۳۔ سلیمان علیہ السلام سعید احمد ۱۷
- ۴۔ علی ہجویری: کشف المحجوب کے آنچے میں عبد الرؤف ۲۳
- ۵۔ ایمان کے تقاضے ام سارہ ۳۱
- ۶۔ خواب بن الارث رضی اللہ عنہ خرم نسیم الدین ۳۷
- ۷۔ قافلہ ہے رواں دواں شکیل الرحمن و کیپٹن ارشد ۳۹
- ۸۔ سلسلہ سوال و جواب (ڈاکٹر مسعود الدین حقانی) انیس الدین ۴۵

یہ مرحلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

مرکزی دفتر مسجد توحید آر جی - ریلوے کوارٹرز
پوسٹ بکس نمبر ۵۰۰۹ - کیمپاری کواچی

مقامی
اشاعت

قریب آج پڑھنے کے لئے ہر گھر میں لٹرائٹ کو لٹکھنے
دے دے کے لے جب تو لٹکھائی تو جان ضرور فرما میں

نعرہ کی سائیکوں
سے اپیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



عظیم و انارباب و الجلال کی قدرت کاملہ کا یہ کیا عظیم کارنامہ تھا اور بلاشبہ جہاں انسانی کارہن ترین باب جس کا آغاز اس طرح ہوا کہ وہ زمین پر اپنے والوں میں بہت ترین قوم اور بے حیائی و فحاشی سے آلودہ دنیا کے بہترین معاشرے میں ایک اعلیٰ ترین اخلاق اور پاکیزہ ترین یرت و کردار کا حامل پر وہاں پڑھتا ہے اور اس کو منصب نبوت پر فائز کے جانے کے بعد حکم ملتا ہے :

فَمَنْ ذَا الَّذِي

انور لوگوں کو اللہ کے مذاب سے ذوق (اورش ۶)

یہ کوئی معمولی رکھت تھی۔ بلاشبہ یہ دنیا کا اہم ترین کام اور مشکل ترین مہم تھی کہ لوگوں کے سامنے اللہ کے سچے دین کی دعوت قبول کر پیش کی جائے اور ان کو آخرت کی جولانی سے آزاد کیا جائے۔ دینی حق کو اپنی قوم میں ایجنٹ بن دیا جاتا ہے۔ شیعہ ترین نفسیاتی دہلے کے علاوہ یہ چند طاقتوں اور ایڑوں کو صبر و تحمل اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے انکار ہے کا صبر و عزم و حوصلہ، اعلیٰ ترین اخلاق فاضل اور بے مثال قوت برداشت نامگزین ہے۔ چنانچہ اس منصوبہ رہائی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دینی حق کو تربیت کے لئے اللہ ان مہم سے نوازا جاتا ہے۔ سورج پل میں اس کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔ یہی مکتبہ کو حکم ہوتا ہے :

لَقَدْ كَلَّمْنَا وَرَقًا الْمُرْقَنَ تَوٰفِیًا (الزمر ۱۷)

انور، یہی میں کہ جو اصل و تو بھی راستہ میں سے بھریم

کردہ بیان سے مکہ سے جلا اور قرآن کو نصیر نصیر کر پھر۔
پھر اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا :

اِنَّا سَلَّمْنٰ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (الزمر ۱۷)

”تم تم ایک بھاری بات سننا چاہتے ہیں۔“

یعنی ایک بڑی ذمہ داری آپ پر عائد کی جا رہی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ اس ذمہ داری کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ رات کو اٹھ کر قیام اللیل کریں، صلوٰۃ میں قرآن عظیم نصیر نصیر کر عبادت کرنا لیتے ہو۔ فرم کر کہ اس طرح کا ایک حصہ ہیں جو خدا ان ناشتہ اللیل ہی اشد و طمنا و انور قیلا (الزمر ۱۷)

”رات کا خدا قرآن کے لئے ہمدی ہوتا ہے۔“

رات کی عبادت میں اللہ کا ذکر قلب و ذہن کے سکون اور ایمان اوصاف کی باریک بینی کا ذریعہ ہے۔

اس عظیم مشن کے حامل دینی حق علیہ السلام کو دعوت کے اہم پہلوؤں سے بھی آگاہ کیا گیا۔ اس سخت ذمہ داری کو نبھانے کے لئے صبر کی صفت کو بھارت نے پروردگار کیا۔ آپ کو ہدایت کی گئی کہ لوگوں کی پسند و ناپسند سے بے نیاز ہو کر اپنے رب کی طرف کیسے لو رہیں ہو جائیں۔ دعوت حق کے دوران بے پرواہی و ناشائستہ روش اختیار کرنے والوں کے ساتھ شائستگی اور اعلیٰ ظرفی (قالوا اسلاما) کے ساتھ علیحدہ ہو جانا ایمان حق کی امتیازی صفت ہے۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ نبوت سے پہلے ہی ان امتیازی اوصاف سے متصف تھے۔ ہدایات رہائی کے ذریعہ سرحد وار تربیت نے ان اوصاف کو جلا بخشی اور آپ کو عزم و حوصلہ، علم و اجازت و صبر و اشتغال کا کامل ترین نمونہ بنادیا۔ پھر آپ کی ذمہ داری جہاں قوم کو ان واحد کی ہدایت کی گئی تھی، دعوت دینا تھی وہیں اس دعوت پر اٹھنا کئے والوں کی تربیت بھی کارہائے کا اہم حصہ تھا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا :

لَقَدْ مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی النَّبِیِّیْنَ (وہاں کائنات)

ہن قبل لطفی خلیل مبین (۱۷۷۷)

”مومنوں پر اللہ سے بڑا انسان فرمایا کہ کہن میں انجی میں سے ایک رسول مہم فرمایا جو ان میں اللہ کی آیات عبادت کر کے بتا دے، ان کا ذکر کرے کہ وہ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔“

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس انداز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تربیت فرمائی، وہی طریقہ کار رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت کے لئے اختیار فرمایا، جس کا اشارہ درج بالا

آیت میں ملتا ہے۔ اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے اس تربیتی پیمانہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ قرآن کی تعلیم، تعلیم اور سخاوت قرآن، بالخصوص قیام اللیل میں ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ قرآن کی مختلف آیات میں مومنانہ اوصاف اور جست کے کردہ مہدوں کے انداز فکر و عمل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ عباد الرحمن کے شب و روز کے مشاغل کا ذکر ہے۔ صحابہ کرام نے اپنے چہرے کو شش اور نین کے ساتھ آیات قرآنی کی تعلیمات کو جذب کیا اور اپنے آپ کو ان سے متعلق بنادیا۔

اس طرح نبی علیہ السلام کے زہد تربیت نیک نفس کے مراحل سے گزر کر تقویٰ اور جمع و طاعت کے پیکر، مخلص مجاہدین کی وہ طاعت تیار ہوئی جو ”خیر صفت“ کے لقب سے نوازے گئے اور وہ یقیناً ان کے عقائد تھے۔ انجی کے ذریعے اسلامی انقلاب پر کاربہ مطلوب و مقصود تھا۔ انہوں نے اللہ کی رضا اور جست کی نعمتوں کے حصول کے لئے جان و مال کا سودا قبول کیا، اور پھر سودا گاری کا حق تو ایک ہی دور میں جا بھلی آزمائشوں میں ثابت قدمی، ہجرت کے حکم پر طاعت کے وعدہ کو ٹھکرا کر گھر بار چھوڑ دینا، خاندانی و قبائلی وابستگیوں سے بے نیاز ہو کر دعوت و ہجرت کے مراحل میں اللہ کے رسول ﷺ کا کھر پر ساتھ دینا، اور پھر قرآن کا حکم ملنے پر اپنے سے تین گھنٹے انکروں کا مردانہ مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ کی مائیدان نصرت سے شرف و کامرانی سے ہمکنار ہو جانا، یہ سب اس غیر محزر لال ایمان اور آخرت پر پختہ یقین کی کا نتیجہ تھا جو اس جامع تربیتی پروگرام کے ذریعے پروان چڑھا تھا۔ ان سرگوش موٹین صاحبین نے ختم لم یوتالیوا کی صفت سے آراستہ ایمان اور عزم و استقامت کے ساتھ بے دریغ فزولت میں جان کی بازی کھیلی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ اختلاف جو ایمان و عمل صالح کی شرط کے ساتھ مشروط تھا پورا کر دیا۔ انہیں کار منصبہ الہی پایہ تکمیل کو پہنچا، دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور اللہ کی زمین پر امن و سکون اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عمل کیا اور قیامت تک کیلئے اس کے مکتب یعنی کتاب اللہ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس کی تشریح اور یہ مسلم ائمہ و فرائض کو صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ فرمایا ہے۔ قالہ صمد علیہ ذلک۔ کس قدر انوس کا مقام ہے کہ آج اس مسئلہ کو دنیا کی سب سے زیادہ قابل قدر کتاب کی ہدایت و تعلیمات سے بے خبر محروم کر دیا گیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ یہ امت قرآن و

ماہِ صیام

منور سلطان

بعض روایات کے مطابق رمضان میں اعمالِ خیر کا پورا سوا گزرا جاتا ہے۔ اگر رمضان میں عمر کو کیا جائے تو حج کے برابر ثواب ملتا ہے (۱)۔
روزہ

روزے کے لئے قرآن و حدیث میں لفظ ”صوم“ استعمال ہوا ہے، ”روزہ“ فارسی لفظ ہے۔ امجد اور میان الامان میں صوم کا مادہ باب نصر سے ضام آیا ہے، جس کے معنی رکے رہنے کے ہیں۔ رماہ صلیبہ کے معنی ہیں رکاوٹ یا پانی۔ اصطلاح میں کھانے پینے، جنسی خواہشات اور تمام منکرات سے منع صادق سے غریب غش تک رکے رہنے کو ”صوم“ کہا جاتا ہے۔ لہذا کریما جی الدین قادیانی اپنی شرح صحیح مسلم میں کتاب الصوم کی ابتدا میں لکھتے ہیں کہ ”تکلیف میں صوم اور صیام کے معنی مطلق امساک (یعنی رکنا) کے ہیں۔ اور (اصطلاح) شرع میں مخصوص وقت میں مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص امساک ہے۔“

مفہم صیام

رمضان کا مہینہ انتہائی خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ تزکیہ نفس، کردار سازی، اصلاح احوال، تعمیر سعادت و اعتقاد کو منور کرنے، اطوار کو نکھارنے، عادات کو سدھارنے اور اعمال کو جلا بخشنے کا ایک مکمل قرآنی پروگرام اور ایک مفید Refresher Course ہے۔ ماہ رمضان کی خصوصی عبادتیں روزہ، تلاوتِ مجید اور احکامات ہیں جو تزکیہ نفس کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ویسے تو اللہ کی رب کا مقصد ہی لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ ۲۱)

اور یہ نزولی قرآن رمضان کی ایک انتہائی برکت والی بات میں ہو جسے مالک نے اپنی کتاب میں غرارِ معنیوں سے افضل کیا ہے۔ (۲) اس مسئلہ کے لئے یہ بات بھی فضیلتِ دینی ہے جس میں اللہ نے وہ مقدس کتاب اتاری جو

هَذِي لِلنَّاسِ وَ يُبَيِّنُ مِنَ الْهُدَىٰ وَ النُّورِ قَابِ
(البقرہ ۱۷۵)

”انسانوں کے لئے ہدایت اور روشنی واضح تھیں، یہ مصلحت ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول اور حق و باطل کا فرق بول کر رکھا گیا“
اور یہ

لَقَدْ لَبِثْتُ لَيْلَىٰ هِيَ الْقَوْمِ الْمَعْرِفَةُ (البقرہ ۱۷۵)
”میرے رات کی طرف رہنمائی کرتی ہے اس سب سے بڑی حد تک“

فصلِ رمضان کی روایات میں فرمانِ نبوی ﷺ ہے
”ماہ کے آٹھ دنوں میں اللہ صحت اور دولت کے لئے
جہاد جاتا ہے۔“ (۳)

”رمضان کے آٹھ روزے کے روزے کھول دینے جانتے
قید۔“ (۴)

”ماہ رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان سے روزے کھول
دینے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیتے جاتے ہیں اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہاتھ دھوا جاتا ہے۔“ (۵)

ایک دوسری روایت میں اس طرح فرمایا کہ

”رمضان کے مہینے کی شب بکلی رات آتی ہے تو شیطان اور
ساحر بھی اس (ماہ) میں بکڑتے جاتے ہیں اور جہنم کے
دروازے بند کر دیتے جاتے ہیں، کوئی بھی غلام نہیں رہتا، اور جنت
کے دروازے کھول دیتے جاتے ہیں، کوئی بھی بند نہیں رہتا اور
توڑ کٹائی جاتی ہے کہ حج کے عاب کے لئے اور اللہ کے
عاب قرآن کے لئے اور اللہ کے بندے جہنم سے آگے جاتے
ہیں۔ اور رات بکلی ایسا ہی ہے۔“ (۶)

رمضان المبارک ماہِ صیام اور شہرِ اقدس ہے۔ یہ
اسلامی تقویم کا مہینہ ہے۔ بیانِ الطرمان اور بلخجہ میں اس
کا ذکر ہے جس بابِ صیام سے لکھی آئی ہے کہ بابِ ضرب اور
نصر سے بھی۔ اول اللہ کریم باب سے اس کے معنی دن کا بھٹ
گرم ہونا، رات و نیر کا تیز و صحاب سے جلتا ہونا سے بدلنا
کا گرم ہونا، تھکنی زمین میں چلنا وغیرہ کے ہیں۔ جبکہ ثانی
اللہ کریم سے تھک و خیرہ کے بھل کو دو پتھروں کے درمیان
رکھا کر کوٹ کر جھار لگانے کے معنوں میں آتا ہے۔ یہی ماہ
نورانی مزید فیہ میں کھلی، افعال کے باب میں بخیروں کو
نعمت گرم زمین میں پڑا ہے، کسی کو جلائے اور تعریف دینے
کے معنی دیتا ہے۔ لہذا یہ بھی یہ لفظ ان معنوں میں
استعمل ہوا ہے۔ یہ دن اور قمر ربی اللہ عز سے روایت ہے
کہ ماہِ رمضان کے قیام میں لوگوں کو صلوٰۃ یعنی نماز کرتے
ایسا تو فرمایا

صلوٰۃ الاولیٰین میں جو معنی الفصل

”ان کے لئے ہے جو ان کی صلوٰۃ وقتِ رات ہے کہ ان کے
کے پاس سے پڑھتے ہیں۔“ (۱۰)

جو تک اس مہینے میں روزہ رکھ کر کسی کی تربیت کی جاتی ہے،
بھلا کا بچہ اور سزاوات پیدا جاتا ہے، اور ایک طرح سے اسے
کوٹ دیتے کہ جان بچا جاتا ہے اس کے بعد رات کا تمام
معنی ماہ رمضان پر صادق آتے ہیں۔

رمضان کی فضیلت

ماہ رمضان اور مبارک مہینہ ہے جس کے لئے قرآن میں
آیات ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرہ
۱۸۵)

”ماہِ رمضان، مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔“

”اے ایمان والو! اپنے رب کی مدد کی کہ جس نے جس پر تم سے پہلے لوگوں کو یہ ایمان دیا کہ تم متقین جاؤ۔“

اور عبادت کا نظام اس مقدمہ کے حصول میں بہت زیادہ محدود معائنہ طلب ہوتا ہے۔ لیکن یہ روزے کا امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن مجید میں بطور خاص فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کئے گئے تھے، تاکہ تم متقین جاؤ۔“

روزہ تربیت انسانی کا ایک بہترین طریقہ اور مؤثر ذریعہ ہے۔ تزکیہ نفس اور شہوانی تحریکات کو قابو میں رکھنے کے لئے روزہ اسی کا کام کرتا ہے۔ عید اللہ من مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص توبہ مری رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ شادی کرے کیونکہ یہ بہت زیادہ گھروں کو بکھیرا کرتا ہے اور خرچہ گواہی ضمانت کرتی ہے۔ لیکن جس کو یہ استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ اس کے لئے وہاں (روکے رکھنے کا ذریعہ) ہے۔ (۸)

روزے کی فرضیت

روزے کی فرضیت کے لئے ایمان لازمی شرط ہے جیسا کہ اللہ کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔“

اور ظاہر ہے کہ یہاں ایمان خالص ہی مراد ہے جس کے حامل وہی لوگ ہوتے ہیں جو حقیقتاً اللہ کو الٰہ واحد مانتے ہیں، ان کی ذات و صفات، حقوق و اختیارات، الوہیت و اولیائت، قدرت و تصرفات، اقتدار و حاکمیت، ملکیت و ملکیت میں کسی کو بھی طرح شریک نہیں کرتے، اس کی کتاب کے ایک ایک حرف پر اس کی غلطی و مخریض اور اس کے آخری و غیر ﷺ کی بیان کردہ بشریح کے مطابق ایمان رکھتے ہیں اور ان ہی کو دین کی بنیاد و حجت اور حرف آخر جانتے ہیں، اور اس سے ہر مخالف کو کفر سمجھتے ہیں، اور ان کے خالص ایمان میں کسی بھی قسم کی آمیزش اور ملاوت نہیں ہوتی (۹) یہ ایمان ہر قسم کے شک و شبہ، ارتباب و استہزاء سے پاک و خالی (۱۰)، اللہ و مقادیر سے، فرقہ و مسلک کی پیروی سے، مکر، کتاب و سنت کی کسی پر ہونکا، دھوکا اور جانچا ہوا کھرا اور ہر قسم کے کھوت سے پاک ہوتا ہے۔ صوم سمیت

ہر قسم کی عبادت ایسے ہی خالص ایمان کے حامل لوگوں پر فرض ہے۔

جو لوگ پر ایمان کردہ صفات و ایمان نہیں رکھتے اور اس میں مختلف قسم کی ملاوت و آمیزش کرتے ہیں، مثلاً کتب و سنت کے علاوہ کسی خود ساختہ مسلک کی پیروی بھی کی جاتی ہو، دین کو بگاڑنے والی فرقہ وارانہ شخصیات سے بھی قلبی لگاؤ ہو، قبروں، عزروں، آستانوں، خانقاہوں سے بھی وابستگی ہو اور ان میں مدفون جستیوں کو زکوٰۃ، سنا، دعا، جانا، باغ و ضار، فیض و ضرر رسال، دانہ و شکر، نوٹ، نوٹ الا عظم، مشکل کشا، خلی جموں لیاں بھرنے والا، ولی مرادیں اور حاجتیں پوری کرنے والا صداری میں شفا کار و بار میں درگت، رزق میں کشمکش، روزی میں قربانی جتنے والا، کھوئی قسمیں کھری کرنے والا، بیڑے پار لگانے والا، حسب خواہش چنا بھلی دینے والا، وغیرہ سمجھا جاتا ہو، ان سے غائبانہ مدد مانگی جاتی ہو، استعانت و استعاذہ کے لئے ان کی دعا لیاں دی جاتی ہوں، ان کے شرعے بلند کئے جاتے ہوں، دہلیز میں ان کا توسل اختیار کیا جاتا ہو اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اگر یہ ہماری درخواست اللہ تک پہنچائیں تو اللہ ہر گزرد نہ کرے گا، ان سے دولت و اشیاء و مقامات حتیٰ کہ ان کی قبر تک کی شہادت اللہ جیسی تعظیم و تکریم کو عین تقاضائے ایمان جانا جاتا ہو، بشرط اسلامی کی پیروی کو نجات کیلئے کافی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ طریقت کی بھی ضرورت محسوس کی جاتی ہو اور فوز و قاریح کے حصول اور دین میں ترقی کیلئے نبی ﷺ کے فرمان کے بموجب آپ کی سنت سے تمسک کے بجائے نبی مریدی کے ذریعے تصوف کے کسی سلسلے سے وابستہ ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہو، فقر بونی کو اللہ کے عرش و کرسی کے کعبے سے بھی افضل گردانا جاتا ہو، نبی ﷺ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام ”کوسید“ کے بجائے مدینے کی قبر میں زندہ مانا جاتا ہو، اللہ کے رسول ﷺ کا قبر میں درویشی اور ان پر اعمال پیش ہونے پر عقیدہ ہو، انہیں خلوت و جلوت میں ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جاتا ہو، ان کی پیدائش کے دن کو نبی ﷺ کے حکم کے خلاف عید بلکہ ”عیدوں کی عید“ کہہ کر سورہ ہود و نصاریٰ و انجوس کی طرح بھون ان سے بھی ملاحت کر انوں و اقسام کی خرافات سے بھرپور جشن منایا جاتا ہو، نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے بجائے بدعات کثیر پر بعد شوق اور عقیدت و احترام کے ساتھ عمل کیا جاتا ہو

مثلاً ہر نماز کے بعد کئی کئی دُعا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، میت کو دعا کرنا، اذان دینا، اس کا تیج و چالیسواں، برسی، عرس وغیرہ کرنا، اس کی بھڑ تمام انتہیاء و اولیاء و عام مسلمانوں کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے لئے قرآن خوانی کرنا، میلاد کرنا، کھانا دیکھنا، تقسیم کرنا، میٹھے، دوا و لوقات مقرر کر گئے، زکوٰۃ نیاز کرنا، وغیرہ وغیرہ، اللہ کے علاوہ اس کے پیوں کو اور صوفیوں کو عالم الغیب جانا جاتا ہو، اعمال کا ثواب ایصال کیا جاتا ہو، اجازت چھوٹ، ٹوٹوں، ٹوٹوں، تعویذ، گندوں، گزروں، پھلوں، خشکوں، ٹیٹوں کو مؤثر سمجھا جاتا ہو، مختلف جیلوں، بیماروں سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں مثلاً سورہ ہود و نیاز کو حلال و جائز کر لیا جاتا ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ثواب اور جاتا ہو جتنی چاہتی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے اپنے گھر اور محفل میں آنے کے بھی، عموماً کے جاتے ہوں، قرآن کی آیات کو اچھ کے حروف میں تہہ می کر کے خود ساختہ علم الہیہ اور جفر اور نجوم کے ذریعے گدشتہ و آئندہ کی خبریں دی جاتی ہوں، اللہ کی صفاتی مشیت مثلاً موتی، مولانا، سرکار دو عالم، سرور کائنات، سید کو ملین، آقائے دو جہاں، وغیرہ اس کے نبیوں اور بندوں کو دے دی جاتی ہو، کائنات کی تخلیق کا سبب ارباب الہی، مدنی، رب کے بجائے ذات نبوی کو قرار دیا جاتا ہو، قرآن میں معنوی تخریف کی جاتی ہو، اور اس کے احکامات کا تمسک کیا جاتا ہو، قرآن اور توفیق الہیہ کے مقابلے میں موصوفیہ روایات کو دین کی اساس مانا جاتا ہو، اللہ کے برگزیدہ و انبیاء معین السلام پر دیکھنے کے شرک کی حسرت لگائی جاتی ہو، مخالفین اور بھانڈے تھالی کو خود نور اور نبی ﷺ کو اس کا ایک ٹکڑا قرار دیا جاتا ہو، نبی آخر الزماں محمد ﷺ کے بعد کسی بھی معنی و مفہوم میں کسی اور کی نبوت پر یقین کیا جاتا ہو، اجداد و بھائیوں کی اللہ کی تخلیق کی جاتی ہو اور سلطنتی لامنت، ایمان، قرآن کی تعظیم، نکاح خوانی، خیر، املا، ایمان کی اجرت و معاوضہ کسی بھی شکل میں لیا جاتا ہو، اقارب اسلام ہر گز و اسلام نہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کر آئے تھے، ایسے اللہ نے مسلمانوں کے لئے پسند کیا تھا (۱۱) یہ دین ۱۰ دین نہیں جو اللہ کو پسند ہے (۱۲) ایسا دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں (۱۳) یہ ہر دین ہے (۱۴) ایسے دین سے مانتے، مومن پر سوم و صلوة، حج و زکوٰۃ کچھ بھی فرض نہیں۔ اگر توپ کے بلے ای دین پر جان دینی تو ان پر صرف ایک ہی چیز فرض ہے، جہنم کی

دوب گیا تو روزے کے افطار کا وقت ہو گیا۔ (۶۸) اہم
 جاری نے تخفیف روایت کیا ہے کہ صحابی رسولؐ کو سعید
 خدری رضی اللہ عنہ نے اس وقت افطار کیا جب سورج کی
 نکیلی غائب ہو گئی۔ (۶۹) انتقام عمر و افطار کے لئے قرآن،
 سائرن، بھونچو، دھول تاشوں یا مٹائی کی آواز سننا شرط
 نہیں۔ جب بھی وقت ہو جائے کر لینا چاہئے۔ نبی ﷺ
 افطار کیلئے غلت کا حکم دیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ لوگ ہمیشہ غیر
 پر رہیں گے جب تک افطار جلدی کریں گے۔ (۷۰)
 دوسری جگہ فرمایا کہ دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ
 جلدی افطار کریں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ روزہ کھولنے میں
 دیر کیا کرتے ہیں۔ (۷۱) نبی ﷺ کے جلدی افطار سے
 متعلق ان واضح روایات کے بعد ان لوگوں کے قول و عمل
 کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جو خلاف فرمان رسولؐ عمری میں
 قبیل اور افطار میں تاخیر کرتے ہیں اور اسے احتیاط کا
 تقاضا کر اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ سورج کی روشنی
 زمین پر آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے اس لئے عمل طلوع فرمایا
 کرو وقت سے آٹھ منٹ پہلے ہو چکی ہوتی ہے اور اسی طرح
 اصل غروب آفتاب بیان کرو وقت کے آٹھ منٹ بعد واقع
 ہو تا ہے۔ ذلک قولہم باقوا عہد۔ کیا یہ لوگ نبی ﷺ اور
 صحابہ کرامؓ سے زیادہ دین کا فہم رکھتے ہیں جنہوں نے یہ بات
 نہ سہی تھی۔ وہ لوگ تو سورج کی گولائی چھپنے ہی افطار کر لیا
 کرتے تھے جیسا کہ پیچھے لوسید خدری رضی اللہ عنہ کا
 معمول نقل کیا گیا۔ اور خود نبی ﷺ افطار میں کتنی جلدی
 فرماتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو گا: عبد اللہ بن
 ابی لوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ
 کے ساتھ سفر میں تھے اور نبی ﷺ روزے سے تھے۔ جب
 سورج غروب کیا تو آپؐ نے فرمایا: اے بلال! اترو اور ہمارے
 لئے ستو گھول۔ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ!
 شام تو ہونے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اترو اور ہمارے لئے
 ستو گھول۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ابھی تو آپؐ پر دن
 ہے۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ اترو اور ہمارے لئے ستو گھول۔ پھر
 وہ اترو اور ستو گھول۔ نبی ﷺ نے اسے پکارا پھر فرمایا کہ
 جب تم دیکھو کہ رات کوھر سے آئے تو روزہ دار افطار
 کر لے۔ آپؐ نے اگلی سے مشرق کی سمت اشارہ کیا۔ (۷۲)
 نبی ﷺ کے قول و عمل کے بعد پھر کسی کے قول و عمل کی
 کوئی حیثیت نہیں:

وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ
 وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ
 وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا
 تَبَيَّنَا ﴿۲۰﴾ (الاحزاب: ۳۶)
 "کسی مومن مرد و عورت صورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور
 اس کا رسولؐ کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا
 بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایت
 کرے گا تو وہ سربلین ہو گیا۔"
 حکم دے رہے ہیں:
 وَمَا أَنْتُمْ بِالرَّسُولِ فَخْذُونَ وَمَا نَهَكُمُ غِنَى
 فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
 ﴿۲۱﴾ (الاحزاب: ۳۷)
 "رسولؐ جو تمہیں دے اسے قیام دلاؤ جس سے وہ تمہیں منع
 کرے تو اس سے تم رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو۔ جگہ اللہ بڑا
 شدد عذاب دینے والا ہے۔"
 اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں رسول ﷺ کے طریقے کو
 اختیار کرتے ہوئے جلدی افطار اور دیر تک عمری کرنا چاہئے
 کہ
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ
 كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الاحزاب: ۲۱)
 "جو اللہ (ﷻ) سے ڈرے اور آخرت (ﷻ) میں سرگرم ہوئے گا تو وہ اللہ سے
 قریب کیلئے اللہ کے رسولؐ کی سیرت اکمل پھرین سمجھئے۔"
 لیکن قبیل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقت سے پہلے ہی
 افطار کر دیا جائے کیونکہ جس نے وقت سے پہلے افطار کیا تو
 اگر سوا کیا تو اس کے ذمے صرف اسی روزے کی قضاء رکھنا
 واجب ہے لیکن اگر قصداً عمل تو وقت افطار کیا تو قضاء کے
 ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم آئے گا جس کا بیان آگے قرا
 ہے۔ اسامہ حبش ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی
 ﷺ کے زمانے میں ہم نے ایک دن ایسے وقت میں روزہ
 افطار کر لیا جب بادل چھائے ہوئے تھے (اور انہوں نے کہا کہ
 سورج غروب ہو چکا) پھر لڑ کھل گیا اور سورج نکل آیا لوگوں
 نے دشنام دے پوچھا تو قضاء رکھنے کا حکم ہوا انہوں نے کہا
 کہ قضاء تو ضرور ہے۔ (۷۳)
 افطار کا وقت قبولیت دعا کا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ
 تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: امام عادل روزہ دار
 جب وہ افطار کرے، اور مظلوم۔ (۷۴) نبی ﷺ جب
 افطار فرماتے تو یہ دعا کرتے:
 اللَّهُمَّ لَكَ صُفْتُ وَأَعْلَىٰ وَذَلِكَ الطُّرُونُ

"اے اللہ میں نے تجھ ہی کے روزہ رکھا اور تجھ ہی روزی
 سے افطار کیا۔" (۷۵)
 (عساکر بھاد کی نو گز دہ اس دعا میں اعتناء تو کلفت وغیرہ
 کے الفاظ و دعا میں ہیں جو کہ نبی ﷺ کی طریقے میں اضافہ
 ہیں۔ نبی ﷺ کے قول و عمل میں کسی بیسی کتا کسی کو
 احتیاج نہیں)
 عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اس طرح دعا کرتے:
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الْغَنَىٰ وَبِعِزَّتِكَ الْكُلَّ
 شَيْءٌ أَنْ تَغْفِرَ لِي
 "اے اللہ میں تجھ ہی سے اللہ کے دے دے ہر شے پر پناہ
 ہوتی ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔"
 (۷۶)
 نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو تم میں سے روزہ رکھے تو چاہئے
 کہ کھجور سے افطار کرے، پھر اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے
 کرے کہ پانی پاک کرنے والا ہے۔ (۷۷) نبی ﷺ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے کھل چند کھجوروں سے افطار فرماتے۔ اگر ترن
 ہتس تو خشک کھجور ورنہ پانی کے چند گھونٹ پی لیا کرتے۔
 (۷۸) پھر یہ دعا فرماتے:
 قَضَى الطَّهَاءُ وَأَنْتَ الْغُرُوقُ وَبِتِ الْمَاجِرُ إِنَّ
 شَاءَ اللَّهُ
 "پانی خشک ہو گیا اور تیریں تر ہو گئیں اور قلاب جھٹکا ہو گیا اللہ
 اللہ۔" (۷۹)
 یاد رہے کہ یہ تمام دعائیں پھر ہاتھ اٹھائے کی جائیں گی
 کیونکہ نبی ﷺ نے اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہی مانگی تھیں
 اور سنت کا تقاضا ہے کہ جس طرح نبی ﷺ نے کیا اسی طرح
 کیا جائے۔
 روزہ افطار کرنا بھی بہت ثواب دار کلام ہے۔ نبی ﷺ
 نے فرمایا کہ جو کوئی کسی صائم کو افطار کرے تو اس کو صائم
 کے برابر ہی ثواب ملے گا اور صائم کا اجر کم نہ ہو گا۔ (۸۱)
 ایک بار نبی ﷺ نے سعد بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہاں
 افطار کیا تو فرمایا: تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا،
 تیکو کاروں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے
 دعا کی۔ (۸۱)
مشاغل رمضان
 جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، رمضان کا مہینہ سیرت و کردار
 اور اخلاق و بوجہ کی تعمیر اور اصلاح کا بہترین وقت ہے،
 اس لئے چاہئے کہ مومنین اس زریں موقع سے فائدہ
 اٹھائیں اور جو کی کو تاہی ایام گزشتہ میں ہو گئی وہ اب اس کا

ازالہ کریں، اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، رمضان کی مبارک
 ساتتیں اپنے مالک کی بھگتی میں صرف ہوں، زبان اللہ کے
 ذکر سے درپردہ، سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ،
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ
 الْعَظِيمِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، اسْتَعِذْ بِاللَّهِ
 وَاتَّقِ اللَّهَ، وغیرہ اذکار مستنونہ سے ربط انسان و چیز،
 نئی مخلوق پر روزہ کی کثرت ہو، معافی و مطالب پر غور کرتے
 ہوئے قربان بھید کی حدوت بھی کی جائے، آیات عبادت پر
 اللہ کی رحمت طلب کی جائے اور آیات و مہد پر اللہ کے
 بدارب سے پناہ مانگی جائے، زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھیں،
 ہر موقع کی مستنون دعا و درود نہایت دہے، فرض نمازوں کا
 باجماعت اہتمام پہلے سے خاص کر خوشحوا و خضوع سے ہو،
 ہر وقت قلب و ذہن اپنے مالک کی طرف رجوع رہیں، زیادہ
 سے زیادہ نوافل کا اہتمام ہو، ہر اندوس جو کہ کبریا کے نوافل
 سب سے افضل ہیں جن کا ذکر آج کرتے ہیں، حقوق اللہ کے ساتھ
 حقوق العباد میں بھی کوئی کوتاہی نہ کی جائے، فقر و فکر، گوش
 و دل، ہر صدمہ بن اللہ کی اطاعت میں لگا ہو اور حتی الوسع اللہ
 کی تفریباتی سے چھا جائے، زیادہ سے زیادہ نیکی اعمال کرنے کا
 شوق ہو، اس ایک و صمن ہی لگ جائے کہ یہ اجر بے بہا
 حاصل کرنے کا موقع ہے۔ جس طرح تجارت پیشہ لوگ اپنی
 مصنوعات کے بیڑن میں انتہائی مصروف ہو جاتے ہیں اور
 زیادہ سے زیادہ کمائے کی فکر کرتے ہیں، اسی طرح رمضان
 نیکیوں اور خیر و برکت کا بیڑن ہے، اس لئے زیادہ سے زیادہ
 نیکیاں کما لیں۔ اس ماہ مبارک میں ہمارے ماضی اور حال میں
 نمایاں فرق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جو کام رمضان سے پہلے ہو رہے
 تھے خواصہ صوم بھی حسب معمول جاری رہیں، آنکھیں اسی
 طرح نظروں کی حلاشی، کان اسی طرح سعی عیاشی میں
 مشغول، زبان پہلے کی طرح خلغوات میں مصروف اور دل
 دینے ہی دنیا میں لگن۔ ایسے شخص پر تو ”نیک ارباب گناہ لازم“
 کا نامور چنپاں ہونے کے بعد پیچھے بیان کردہ وہ حدیث
 صادق آتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ سے“
 روزے دہرایسے ہیں کہ جنہیں روزے سے سوائے بھوکا پیاسا
 رہنے کے کچھ ضیق ملتا۔ (۸۲) اس لئے ضروری ہے کہ
 خود اصلاحی کے اس سنہری موقع کو گنوا کر اس ماہ مقدس کی
 برکتوں سے محروم نہ رہا جائے بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ
 اٹھایا جائے، کیونکہ ایک حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ

اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا
 جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اور اس شخص کی ناک بھی
 خاک آلود ہو جس پر رمضان داخل ہو اور چاہا لیکن اس کی
 مغفرت نہ ہوئی، اور اس کی ناک بھی خاک آلود ہو جس نے
 اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو برا بھلا اور ان کی
 خدمت سے اسے جنت میں نہ پہنچایا۔ (۸۳) اللہ تعالیٰ ہمیں
 اس عظیم عروج سے چھانے اور اس ماہ مبارک کی برکتیں
 حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرماتے۔ آمین

روزے کے مباحات، منہیات و مستحبات

اگر دولت کو جنت تک پہنچانے کی توفیق حاصل جنت میں بحری
 کھا کر روزہ رکھ لے، اور صلوٰۃ و حج سے پہلے غسل کر لے۔ (۸۴)

جس کو روزے میں متبخر کرتے ہو یا ہوا و خوراک
 آنے پر روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (۸۵)

حالت روزہ استحکام ہونے، مے آنے اور نیکی کمانے
 سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (۸۶) نیکی گونا گویا قدیم میں ایک
 طریقہ علاج تھا جس میں سورج نکلنے ہونے سے نیکی کے
 ذریعے کر یا جسم کے کسی دوسرے حصے سے نیکی سے روزہ
 سے سانس کھینچ کر فاسد خون نکالا جاتا تھا جس سے حد میں
 خون نھر جاتا تھا حد احادیث میں اس فعل کو ”تخلیفت“ کہتے
 کرتے تھے کو ”تخلیفت“ کہتے تھے۔

جب کوئی روزے میں بھولے سے کچھ کھاپی لے تو
 روزے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور روزہ پورا کرے کہ اسے
 اللہ نے کھانا پلایا۔ (۸۷)

روزے میں بے ہودہ کوئی، بھولت اور غیبت نہ کرے
 کہ پھر اللہ کو اس روزے کی کوئی عبادت نہیں رہتی۔ (۸۸)

روزے میں لڑائی جھگڑے سے بچے، اگر کوئی اسے گالی
 دے تو اسے نہیں کہ سمجھو کہ تم میرے صدق قرآن کو برا بھلا
 دینے ہو اس کی اس گستاخ برائے ہاں کو جو بھلائے کے لئے ہے جو جانتے
 ہو روزہ رکھ کر اور اگھڑے کہ میں روزے سے ہوں، میں
 روزے سے ہوں۔ (۸۹)

روزے میں مسواک کی جاسکتی ہے، خواہ خشک ہو یا
 تر و تازہ۔ (۹۰)

روزے کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ لگایا جاسکتا
 ہے۔ (۹۱)

ہٹاری نے چار مطلق روایات میں صحابہ و تابعین کے

مختلف اقوال نقل کئے ہیں جن کے مطابق روزے دار کے
 لئے حوض میں ٹوٹے لگانا، غسل کرنا، کپڑا بھسک کر بدن پر
 ڈالنا، جسم کو صاف کرنا، نیس لگانا، کٹھمی کرنا، حنوک لگانا، کلی
 کرنا، سب جائز ہے۔ اور وضو کے دوران ناک میں پانی
 چڑھانے وقت اگر پانی حلق میں آجائے اور نکلانا جائے اور
 بالائیے نہ جائے، تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر حلق میں
 کھسی چلی جائے، بھولی کر ہٹا کر لے تو بھی روزہ نہیں چاتا۔
 اگر حلق تک نہ پہنچے تو حلیہ سوم ناک میں دوادلی جاسکتی
 ہے۔ (۹۲)

ساکم کو روزہ دار وضو ناک میں پانی چڑھانے میں مباح
 نہیں کرنا چاہئے بلکہ جب پانی نہ پائے وہ بلا سارے حلیہ۔ (۹۳)

جس نے اپنے پر روزہ ٹوٹ جائے گا بعد میں قصداً بھی نہ مہمی
 پڑے گی۔ (۹۴)

روزہ میں کوئی روزہ رکھو یا نہ رکھو ہے تاکہ ان میں کوئی چیز نہ ہو
 عبادت کا شوق پیدا ہو۔ صحابہ بھی اپنے بچوں کو روزے
 رکھواتے تھے۔ (۹۵) لیکن اس کیلئے روزہ رکھانی کی تقریبات
 منعقد کرنا عبادت صحابہ سے ملتا نہیں۔ روزے داروں کا
 روزہ انظار کرنا بادی غیبت کا کام ہے اور صحابہ ایک
 دوسرے کا انظار کراتے تھے اور خود کوئی تخلیفت نہ بھی
 دوسرے صحابہ کے سر اور دوسروں کے یہاں انظار کیا ہے،
 جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی احادیث سے ثابت
 ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں انظار پاری اور روزہ رکھانی کے
 نام سے منعقد کی جانے والی تقریبات نمود و نمائش، دیباکاری،
 تصویر کشی و دیگر خرافات کا مجموعہ بن جانے کی وجہ سے بالکل
 ناجائز بن گئی ہیں جن میں شرکت بھی مسلمانین کو زیبا
 نہیں۔

روزے دار کے سامنے کچھ کھایا جائے (اور وہ
 صبر کرے) تو فرشتے اس کے لئے جاگرتے ہیں۔ (۹۶)

نضاء و نگارہ صوم

سورۃ البقرہ کی آیات صوم میں جہاں اللہ نے مریض و
 مسافر کو رخصت دیا ہے وہیں فقہاء بن الہام اخیر کہہ کر
 یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ روزے ان پر معاف نہیں ہوتے پھر
 دوسرے دنوں میں رکھتے ہیں، یعنی مسافر سفر سے واپس آکر
 اپنے مقام پر اور مریض مرض سے صحت پا کر یہ روزے
 رکھے گا۔ اس طرح ایک فرض کو اس کے مقررہ وقت کے

طاوہ بعد میں کسی وقت ادا کرنے کو قضاء کرنا کہتے ہیں۔
 بعض مسافر کے طاوہ بن لوگوں کو مخصوص حالات میں
 روزے کی رخصت دی گئی ہے، جس کا بیان پیچھے گزر چکا
 ہے وہ بھی ان مخصوص حالات کے گزر جانے پر روزے کی
 قضاء رکھیں گے، مثلاً حاملہ حیض سے اور یاغیر خاص سے
 پاک ہو کر، حاملہ وضع حمل کے بعد، مرضہ رضاعت سے
 فارغ ہو کر، یہ روزے پورے کریں۔ البتہ شرع میں یہ
 آسانی ہے کہ یہ قضاء روزے آئندہ رمضان تک درمیان
 عرصے میں کبھی بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ عائدہ رضی اللہ عنہا
 رمضان کے قضا شدہ روزے اس میں گزر جانے کے بعد ماہ
 شعبان میں رکھتی تھیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں مشغول
 رہنے کے سبب وقت نہ ملتا تھا۔ (۹۷) قضاء روزے مسلسل
 لگاتار یا وقفے سے پھوڑ چھوڑ کر دونوں طرح سے رکھے
 جاسکتے ہیں کہ اس باب میں صحابہ کے دونوں طرح کے اقوال
 ملتے ہیں۔ (۹۸)

بغیر کسی قوی عذر یعنی بیماری وغیرہ کے روزہ نہیں توڑنا
 چاہئے، اور مرض وغیرہ میں بھی جب تک احتیاطی کیفیت
 نہ ہو، البتہ جب جان پر ہی دن پائے تب ہی روزہ توڑا جاسکتا
 ہے کہ اس حالت میں تو حرام بھی بھڑھارے جان حلال
 ہو جاتا ہے۔ (۹۹) اور پھولے موٹے بھڑھارے پر روزہ توڑنا
 چاہئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بغیر کسی بیماری یا
 رخصت کے رمضان کے کسی دن کا روزہ نہ رکھا (پاکھ کر
 توڑ دیا) تو اگر ساری عمر بھی روزے رکھے تو اس (فوت شدہ)
 روزے کے ثواب کو نہیں پاسکتا۔ (۱۰۰) نفل روزہ اگر جان
 یا بچہ کر توڑا جائے غروب آفتاب سے پہلے ہی کچھ کھالی لیا تو
 صرف اسی ایک روزے کی قضاء میں ایک روزہ رکھا جائے
 گا۔ (۱۰۱) یعنی نفل روزہ توڑنے کی صرف قضاء واجب ہے
 اور کفارہ کچھ نہیں۔ لیکن اگر رمضان کا فرض روزہ توڑا یعنی
 قبل از وقت ہی کچھ کھالیا یا پیوئی سے مقاربت کی تو اس کے
 کفارے میں ایک عام آزاد کیا جائے، یا دو صیے (یعنی ساٹھ دن)
 کے لگاتار روزے رکھے جائیں (یعنی درمیان میں ایک دن بھی نہ
 ہو روزہ دوبارہ شروع کر دینے کے) یا پھر ان ساٹھ روزوں کی
 جگہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ (۱۰۲) اور اس توڑے
 روزے کی قضاء بھی رکھے۔ (۱۰۳) احادیث میں اس کی
 تصریح نہیں کہ مسکینوں کو کتنے وقت کا کھانا کھلایا جائے۔
 چونکہ ایک روزے کے بدلے فدیہ میں ایک مسکین کو

کھانا کھلایا جاتا ہے (۱۰۴) اس لئے ساٹھ روزوں کے بدلے
 ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کا کھانا کھلایا جائے۔ یہ کفارہ و
 قضاء واجب ہے کہ روزے میں قصد لود فعل کیا جو کہ ممنوع تھا
 ورنہ اگر یہ کام سوا ہو اور مثلاً لڑکی وجہ سے غروب آفتاب
 سے پہلے ہی روزہ اظہار کر لیا تو صرف قضاء لازم آئے گی،
 کفارہ نہیں۔ (۱۰۵)

رمضان میں قیام اللیل (تراویح)

قیام اللیل کے معنی ہیں رات میں کھڑا ہونا۔ احادیث
 میں یہ اصطلاح رات میں تہجد کے نوافل ادا کرنے کے لئے
 استعمال ہوئی ہے۔ یہ نوافل فرض صلوٰۃ کے بعد سب سے
 افضل ہیں۔ (۱۰۶) اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔
 (۱۰۷) یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا
 کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت مسلم
 بندہ اللہ سے جو بھی مانگتا ہے اللہ اسے عطا کرتا ہے۔ (۱۰۸)
 فرمایا کہ جب رات کا آخری پیر ہوتا ہے تو اللہ بہت کچھ عطا
 آسمان دنیا پر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ سے کوئی مجھ سے دعا
 کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں، یہ کوئی مجھ سے دعا
 مغفرت چاہئے والا کہ میں اسے بخش دوں۔ مالک صحیح روایت
 ہوتے تک ایسے ہی پکارتا رہتا ہے۔ (۱۰۹)

ایسی مبارک ساعت میں کہ جب فرشتے حاضر ہوں،
 اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نازل فرما ہو، رحمت و مغفرت
 کی نالگ رہی ہو، اور لوگ خواب غفلت کے مزے لے
 رہے ہوں، تو وہی سعادت کی بات ہے کہ کوئی مومن بندہ
 اللہ کے حضور کھڑا ہو اور اس کی کتاب مقدس کی تلاوت
 کر رہا ہو، اس کے آگے سر کو جھکا کر، بیٹائی زمین پر گزرتا
 اپنے مالک کی حمد و ثنا کر کے اظہار بندگی کر رہا ہو۔ اللہم
 ارزنا هذه السعادة العظيمة

اللہ نے اپنی کتاب میں عباد الرحمن کی یہ صفت بیان کی
 ہے کہ

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿١﴾
 وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ
 جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٢﴾ ۝ لِلَّهِ انْشَاءُ
 (۱۵:۱-۲)

”ان کی راتیں اپنے رب کے سامنے قیام و سجود میں گزرتی ہیں،
 اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں جہنم سے
 چاہ۔“

تَتَخَافُ جَثْوَهُمْ مِنَ الْمَضَامِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ
 خَوْفًا وَطَمَعًا (السجدة: ۱۶)

”ان کے پلوں سے ان کے سحرے سے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور اپنے
 رب سے خوف و طمع کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔“

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ النَّاسِ ۚ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾
 بِالسَّخَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ (الذکر: ۱۷-۱۸)

”اور ان کو توڑا ہی سوتے تھے اور سحر کے وقت اپنے گناہوں
 کی معافی چاہتے تھے۔“

نبی ﷺ نے قیام اللیل کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔
 متعدد احادیث میں آپ ﷺ کا قیام اللیل کے فضائل بیان
 کرتا روایت کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ اللہ رحم
 کرے اس آدمی پر جو رات کو اٹھے اور صلوٰۃ ادا کرے اور اپنی
 عورت کو بھی اٹھائے۔ اگر وہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے
 چھینے مارے۔ اللہ رحم کرے اس عورت پر جو رات کو اٹھے
 اور صلوٰۃ ادا کرے اور اپنے زادہ کو اٹھائے۔ اگر وہ اٹھے تو
 اس کے منہ پر پانی کے چھینے مارے۔ (۱۱۰) اس سے انکی
 روایت میں ہے کہ ان دونوں مرد و زن کو ذکرین اور
 ذاکرات میں لکھا جائے۔ ذکرین اور ذاکرات کے لئے اللہ
 تعالیٰ نے اجر عظیم عطا کیا ہے۔

وَالذَّاكِرِينَ وَالذَّاكِرَاتِ أَفْعَدَ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَ
 أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١١﴾ (احزاب: ۳۵)

”ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے والوں کے لئے اللہ نے
 مغفرت و اجر عظیم عطا کر رکھا ہے۔“

عام دنوں میں جب قیام اللیل کی یہ فضیلت ہے تو
 رمضان میں اللہ تعالیٰ کیا پاسکتا ہے کہ اس کی کتنی فضیلت ہوگی
 جب ہر فعل کا اجر ستر گنا ہو جاتا ہے۔ رمضان کی راتوں
 میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے کو اصطلاحاً تراویح کہا جاتا
 ہے۔ احادیث صحاح میں اس صلوٰۃ کو یہ نام نہیں دیا گیا بلکہ
 قیام رمضان ہی کہا گیا ہے۔ اس صلوٰۃ کی بڑی فضیلت ہے۔
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان دو صیے ہے کہ جس
 کے صوم کو اللہ نے تم پر فرض کیا ہے اور اس کے قیام کو میں
 نے تمہارے لئے سنت نصیر لیا ہے۔ جس جو ایمان و احتساب
 کے ساتھ اس کا صوم رکھے اور قیام کرے تو وہ گناہوں سے
 ایسا نکل جائے گا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو
 جنم دیا تھا۔ (۱۱۱) خصوصاً ان دنوں میں اس کا ذکر کرتے ہوئے
 فرمایا کہ جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان میں
 قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔ (۱۱۲)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بخبر کے چوں یا بیت کا ایک حجر بنیاد ہوا اس میں کئی رات صلوٰۃ ادا کی، یہاں تک کہ آپ کے پیچھے بہت سے لوگ بھی چڑھنے لگے۔ ایک رات بہت لوگ آئے لیکن آپ باہر نہیں نکلے۔ کوئی آواز نہ پا کر لوگ سمجھے کہ شاید آپ سو گئے۔ بعض نے کھکارا کو آوازیں بلند کیں، اور وہ اسے پر کھڑکیں ماریں تاکہ آپ باہر نکلیں۔ پھر آپ کھڑکی سے باہر نکلے اور فرمایا کہ میں نے وہ چیز جو تمہارے ساتھ رہی ہے، یہی ہے (یعنی شوق صلوٰۃ) اور فرمایا کہ یہ صلوٰۃ بھی تم پر کہیں فرض نہ کر دی جائے۔ اور اگر فرض ہو جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر پاتے۔ پس تم اپنے گھروں میں اس صلوٰۃ کو ادا کرو۔ قوی کی بھڑک صلوٰۃ اس کے گھر کی ہے سوائے فرض صلوٰۃ کے۔ (۱۱۳) یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا۔ (۱۱۴) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رمضان میں آپ نے کئی رات ہمارے ساتھ نماز عشاء اقامت نہیں کیا مگر جب آخری رات اقامت ہو گئی۔ منی میں شب کو آپ نے قناتی رات تک قیام کیا۔ چھوٹی کو نصف شب تک قیام کیا۔ صبح اٹھنے پر زیادہ کی قناتی کو فرمایا کہ ہم کے ساتھ قیام سے فارغ ہونے پر ساری رات قیام کا ثواب ملتا ہے۔ ستائیسویں شب کو آپ نے اپنے گھر والوں کو اور مردوں و عورتوں کو جمع کیا اور اسی دیر تک قیام کیا (یعنی اتنے روزہ نفل چماتے) کہ صبح کو اندیشہ ہوا کہ سحری کھانے کا وقت نہیں ہے۔ صبح پھر باقی مینے آپ نے (بہاوت اقیام) نہیں کیا۔ (۱۱۵) اور بریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام اس بات کے کہ عزیمت کے ساتھ (تکلیف) ختم کریں، قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ قیام رمضان کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور اسی طرح ہوتا رہا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی رہا اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع دور میں بھی ایسا طریقہ رہا لیکن جس کا یہاں قیام رمضان کا (۱۱۶)

عبدالرحمن بن عبد القدری روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی رات میں مسجد گئے تو دیکھا کہ لوگ متفرق ہو کر صلوٰۃ ادا کر رہے تھے۔ کہیں کوئی ایلا ہی چڑھ رہا تھا تو کہیں کسی کے پیچھے جماعت تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، "میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں

اس سب کو ایک ہی قاری کے پیچھے اکٹھا کر دوں تو اچھا رہے گا۔" پھر انہوں نے اس کا حکم کر لیا اور ان سب کو اپنی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کر دیا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک رات جو ان کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ سب اپنے قاری کے پیچھے صلوٰۃ ادا کر رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نعم البدلۃ (مجلیہ اللہ) ہوئی۔ رات کا وہ حصہ جس میں تم سو رہے ہو وہ اس سے افضل ہے جس میں تم قیام کرتے ہو۔ دوجاچے تھے کہ رات کے آخری حصے میں قیام ہو لیکن لوگ اس کے قول سے میں ہی قیام کر لیتے تھے۔ (۱۱۷)

حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں جماعت کے ساتھ اول شب میں ترویج نہیں پڑھتے تھے بلکہ آخر شب میں گھر میں قیام التلیل فرماتے تھے کیونکہ اگر وہ مسجد میں جماعت ترویج پڑھتے ہوتے تو اپنی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہی کھڑے ہوتے اور باہر سے اگر انہیں ترویج میں مشغول نہ دیکھتے۔ دوسری بات یہ کہ عمر نے آخری شب کے قیام کو اول شب کے قیام سے افضل قرار دیا۔ انہوں نے قیام رمضان کی جماعت کو نعم البدلۃ اس لئے کہا کہ پہلی واپسی صورت یعنی متفرق گھروں میں صلوٰۃ ادا کرنا موقوف ہو گئی اور ایک امام کے پیچھے سب کا جمع ہونا شروع ہو گیا جو حرمک ہو گیا تھا، اور وہ لوگ جو صلوٰۃ العشاء کے بعد گھر جا کر سو جاتے تھے وہ بھی قیام التلیل کی سعادت میں شریک ہونے لگے۔ نعم البدلۃ سے "بدلت" حتم "یا" اچھی جی بات" کے معنی لینا درست نہیں کیونکہ قیام رمضان کی جماعت ایک امام کے پیچھے خود ہی ﷺ سے بھی تین رات گزرا جماعت ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا فعل "بدلت" نہ تھا بلکہ یہ میں امامت رسول تھا اور سید رسول کا اجراء تھا۔ اس سنت یعنی قیام باجماعت کو خود نبی ﷺ نے ہی اس خوف کے سبب موقوف کر دیا تھا کہ کہیں یہ لوگوں کے شوق کے سبب فرض نہ ہو جائے۔ اور اسے گھروں میں ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دو سال مختصر دور خلافت میں اسی طرح ہوتا رہا بلکہ جب کہ شریعت مکمل ہو چکی تھی اور کوئی چیز اب نہ فرض ہو سکتی تھی نہ منوع، کیونکہ نبی ﷺ موجود نہ تھے جن کے ذریعے ہی کسی حکم شریعت کا نفاذ ہوتا تھا، اس لئے عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے اشتیاق اور

متفرق عمل کو دیکھتے ہوئے اتفاق پیدا کرنے کیلئے نبی ﷺ کی موقوف شدہ باجماعت قیام التلیل کی سنت کو دوبارہ جاری کر دیا۔ انہوں نے اس طرح کر کے دین میں ہرگز کوئی نیا طریقہ جاری نہیں کیا۔ اور وہ ایسا کر بھی کیسے سکتے تھے کہ وہ نبی ﷺ کے توسط یافتہ تھے اور دین میں سے طریقے ایجاد کرنے کی شجاعت و خرابی، عیق و سزا بارہا بابت نبوت سے من چکے تھے۔ اور دین میں ان کے سامنے ہونے علم و فہم کی قوت خود نبی ﷺ نے بھی گواہی دی۔ (۱۱۸) اور ہر شخص بحال وہ ایسا کرتے بھی تو دیگر عالم فقیہ صحابہ کبار نہیں ایسا کرنے دیتے۔ صحیح مسلم میں زید بن ثابت اور صحیح بخاری میں عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ترویج کی صلوٰۃ اپنے گھر میں پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے۔ اگر صحیح العقیدہ، پابند سنت حافظہ و قاری میر آجائے تو مسجد میں جماعت سے بھی پڑھنا چاہیے کہ اس میں جماعت کی منفعت بھی حاصل ہو جائے گی۔ مرد و عورت مسالک کے بدعتیہ اور اجرت کے طالب حفاظ کے پیچھے ترویج پڑھنا صحیح العقیدہ مومنین کو زیادتیں جس شخص پر کفر یہ شریک عقائد رکھنے کی وجہ سے لازم فرض ہی نہیں تو پھر اس کے پیچھے صحیح العقیدہ مومنین کیسے ترویج پڑھ سکتے ہیں۔ اس پر مستزاد اجرت کا لینا بھی ہے جو ان کے قرآن وحدیث سے اس پر ناجائز و حرام ہے۔

ترویج کی تعداد

ترویج نفل ہے اور نفوں کی تعداد مقرر کرنا صحیح نہیں جب کہ نبی ﷺ نے تعین نہ فرمایا ہو۔ اپنی سواست، رضیت و شوق کے مطابق جتنے چاہیں تو نفل ادا کرے جائیں۔ نبی ﷺ نے ترویج کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی۔ ترویج بھی قیام التلیل ہی ہے، اس لئے اس کی رکنیں بھی صلوٰۃ التلیل کے مطابق ہونا چاہیں، اور ان کی تعداد مختلف روایات میں مختلف آئی ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ (رات میں) کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ فرمایا کہ آپ رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کی خوبی اور طول کا کیا پوچھا۔ پھر چار پڑھتے تھے۔ ان کی خوبی اور درازی کا کیا کیا۔ پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ (۱۳۱)

مذکورہ بالا حدیث عائشہ سے آٹھ ترویج اور تین و تراکب ثابت ملتا ہے۔ ان ہی سے دوسری روایات میں یہ تعداد کم یا

زیادہ بھی مقبول ہے۔ مسروقؒ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی صلوٰۃ اللیل کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے بتایا کہ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کبھی سات، کبھی نو اور کبھی گیارہ (۱۲۰) قاسم بن محمدؒ کو آپؐ نے بتایا کہ نبی ﷺ کی رات کی صلوٰۃ دس رکعت تھی، ایک رکعت وتر کی اور دو رکعتیں فجر کی۔ یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ (۱۴۱)

مختلف مسائل سے وابستہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو تہجد کی نماز کا ذکر ہے اور تراویح عیدہ و چیز ہے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا گیا، تراویح اور تہجد دونوں قیام اللیل ہیں اور رمضان وغیرہ رمضان میں نبی ﷺ کا کیاں معمول تھا، جیسا کہ اوپر حدیث عائشہؓ میں بیان ہوا۔

یزید بن رومانؒ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں لوگ حججیں رکھتے پڑھتے تھے۔ (۱۴۲) اسباب بن یزیدؒ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تیمہ داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کو کہلا لیا ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا، یہاں تک کہ ہم لکھوی پر سدا لگاتے، اور ہم فجر کے قریب ہی فارغ ہوتے تھے۔ (۱۴۳) عبد اللہ بن ابی بکرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد بتاتے تھے کہ ہم تراویح سے فارغ ہونے کے بعد فجر ہونے کے ڈر سے کھانے کے لئے خاموشوں سے جلدی کرتے۔ (۱۴۴) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رمضان میں قاری سورۃ البقرہؒ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا۔ جب بارہ میں پڑھتا تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس نے تحقیق کی (یعنی قیام ہمارے ہمارے ہے کہ) (۱۴۵) قیام اللیل میں طویل قیام کو نبی ﷺ نے قوال و فعلاً بہت ہی پسندیدہ قرار دیا ہے اور درج بالا احادیث سے جلت ہے کہ صحابہ کرام اس سبب رسول کی پوری طرح اتباع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

الغرض، مندرجہ بالا احادیث سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قیام رمضان میں رکعتوں کی مختلف تعداد ثابت ہوتی ہے۔ لہذا تراویح کی کوئی تعداد مقرر نہیں کرنی چاہئے بلکہ آٹھ، دس، بارہ، بیس یا زیادہ، جتنی بہت اور شوقیہ اجازت دے پڑھ لینی چاہئیں۔ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھنے کے بعد رات کو گھر میں انفرادی قیام اللیل کا موقع بھی ضائع نہ کریں کہ یہ زیادہ افضل ہے جیسے پیچھے عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا۔

بعض لوگ آٹھ رکعتیں پڑھنے کو خواہش نہیں کرتے ہیں اور انہیں تہجد کی نماز کہہ کر تراویح سے جدا کر دیتے ہیں، جبکہ دوسرے لوگ انہی آٹھ کو تراویح کی مستون تعداد کہتے ہیں اور اس سے زیادہ کے انکاری ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ افراد و تقریباً اور مسکنی تعداد کا شکار ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، تراویح اور تہجد دونوں ایک ہی صلوٰۃ ہیں جن کے لئے احادیث میں ”قیام اللیل“ کا لفظ آیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تراویح کو لوگ عشاء کے ساتھ ہی اول شب میں پڑھا کر لیتے ہیں جبکہ عمر رضی اللہ عنہ آخر شب میں پڑھا کر لیتے تھے اور تہجد کو آخر شب میں۔ اب جیسا جس کا ذوق اور بہت و وسعت ہو سو اسی قدر وہ رمضان میں قیام اللیل کرے۔

غرضیکہ نہ تو آٹھ رکعتیں پڑھنا خواہش نہیں ہے اور نہ آٹھ سے زیادہ پڑھنا خلاف سنت۔ ہر دو عمل سنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمل اتنا کرو جسے کی طاقت ہو (۱۴۶)۔ نیز فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنی خوشی کے موافق صلوٰۃ پڑھا کرے۔ پھر جب سنت ہو جائے یا تمکد ہے تو چاہئے کہ بیٹھ رہے۔ (۱۴۷)

تسبیح تراویح

احادیث صحاح میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے نبی ﷺ کا تراویح کے توافقی کے وقفے میں مخصوص الفاظ کے ساتھ ذکر ثابت ہو۔ تاہم صحیحین کی کتاب الطہارہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے نبی ﷺ اس وقفے میں بھی کوئی نہ کوئی ذکر ضرور فرماتے ہوئے۔ بخاری اور ترمذی کی کتاب الدعوات و استعاذہ میں بہت سے لاکھ مستون روایت کئے گئے ہیں مثلاً: سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ، اللہ اللہ وحی لا اشرک بہ شیئاً، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضی نفسہ ورفیع عرشہ ویداد کلمتہ، لا الہ الا اللہ وخذہ لا شریک لہ لہ الشکک ولہ الحمد یحییٰ ولیمیتا وھو علی کل شیء قہیر، وغیرہ، لیکن اس موقع کا کوئی مخصوص ذکر مقبول نہیں۔ اس لئے اس وقفے میں کوئی بھی ذکر کر لیا جائے اس موقع کے لئے ”سج تراویح“ کے نام سے جو ذکر بتایا جاتا ہے اور زمانہ رمضان میں جس کی تفسیر بھی کی جاتی ہے یعنی: سبحان

ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والہیۃ والقدرة والکبریا والجزوت سبحان الملک الحق الذی لا ینام ولا یمنون سبحان لعلہ ربنا ورب الملکۃ والروح اللہم اجرونا من الشاویہ منجبراً یا منجبراً یا منجبراً

تو جانا چاہئے کہ صحاح ستہ کی احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ صاحب مشکوٰۃ نے تیسرے اور چوتھے درجے کی کتاب احادیث کی روایتیں بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہیں، لیکن انہوں نے بھی اسکو نقل نہیں کیا۔ انہی ذکر مستون نہیں۔ معنی اس ذکر کے بہت اچھے ہیں لیکن اسے سنت چاہ کر لازم کر لینا اور نہ پڑھنے کو بوجہ اجتناب درست نہیں۔

تراویح سے متعلق غلط باتیں

لوگوں میں قسم قرآن یعنی نام رمضان میں پورا قرآن سننے سے متعلق کچھ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ اسے لازم سمجھ لیتے ہیں۔ اسی غلط تصور کے تحت تاخیر پیشہ اور سہل پسند لوگ جو پورے مہینے قیام اللیل کی مشقت برداشت نہیں کر سکتے، کبھی حافظہ کے پیچھے تین چار دن میں قرآن پورا کر کے باقی مہینے کے لئے ”فارغ“ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح تین چار دن میں قرآن ختم کرانے کو ”شینہ“ کا نام دیا جاتا ہے جس کی خوب تفسیر بھی کی جاتی ہے کہ حافظ قلال، غلط قلال، شاگرد قلال، اسے وقت میں قلال جگہ شینہ پڑھائیں گے۔ اور اس شینہ میں ہوتا کیا ہے؟ حافظہ صاحب طوفانی و قدر سے ایک ایک رکعت میں آدھا آدھا پڑھ چکے جاتے ہیں جس میں عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا، خود سامع حافظہ کو بھی نہیں پتہ چل پاتا کہ موصوف نے کیا پڑھا۔ یہ جناب قرآن کی یہ آیت بھی پڑھتے ہیں اور سامعین اس کو سنتے ہیں کہ:

وَرَبُّهُ الْقُرْآنُ تَرْتِلُا ۖ اٰیٰہ (السرمد ۲)
”اور قرآن کو تم غمر کو پڑھو۔“

لیکن افسوس کہ نہ پڑھنے والے کو اس کے معنی معلوم اور نہ سننے والے کو! یا اگر جانتے ہیں تو انہیں نہ قرآن کی اہمیت کا کوئی احساس ہے اور نہ قرآن کی عظمت کا اور نہ اس طرح غم ربانی کی بے حسی نہ کی جاتی! لوگ محض ایک آمد واری بھٹکانے یا جہاد کرنے کے خیال ہی سے جبراً انھیں پڑھتے ہیں۔ بہت سے قوتیٹھے، بہتے ہیں کہ رکوع میں شامل ہو جائیں گے۔ بعض جگہ تو ایک دورات میں بھی قرآن ختم کیا جاتا ہے جس میں حافظہ موصوف کی رفتار اور بھی زیادہ

ہوتی ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے تو بہت زیادہ قرآن پڑھنے والے صحابی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بھی تین دن کے کم میں قرآن ختم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (۱۳۸) نبی ﷺ ہر رات میں جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے۔ (۱۳۹) احادیث صحاح میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ جن تین دنوں میں آپ نے قرآن پڑھا نبی آپ نے مکمل قرآن ختم کیا۔ صحابہ بھی قرآن پڑھتے تھے، اگرچہ ان احادیث میں ان سے بھی ختم قرآن کا کوئی ذکر نہیں ملتا، تاہم یہ امر مستحب ہے کہ پورے رمضان میں قرآن ختم کر لیا جائے جسے مکمل پڑھو وہ تو انفرادی و اجتماعی دونوں قیام اللیل کرے اور جسے یاد نہ ہو تو وہ اس حافظہ کے چھپے کلمے سے جو کہ سن لے اور پھر قرآن یاد ہو تو وہ انفرادی قیام اللیل میں پڑھے۔ یہ عمل روزانہ کا ہے، پورے مہینے کا ہے۔ صرف ایک دو دن میں ختم کر کے چار پچھڑائے والی بات تو قرآن کریم کے ساتھ صرف گناہ ہے! (العیاذ باللہ)؟

معموم ہو جاتے۔ ایک دفعہ دسویں مارچ کو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ یہ رات مجھے بھلائی ہوئی تھی، لیکن پھر بھلائی ہوئی۔ پس تم اس کے لئے رمضان کے آخری عشرے کی عبادتوں میں مبتلو کرو۔ (۱۳۳) اس کے بعد پھر آپ ﷺ اس رات کے لئے رمضان کے آخری عشرے کا استکاف فرماتے۔ (۱۳۴) اور یہی یہ عشرہ آتا تو آپ ﷺ عبادت میں شدت اختیار کرتے۔ اپنی کمر کس لیتے۔ خود بھی راتوں کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔ (۱۳۵) صحیح بخاری کی دوسری روایات میں نبی ﷺ سے بیسیویں، ستائیسویں اور اچھو بیس شب کے متعلق احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اسی طرح سن اولیٰ اور صحیح مسلم کی روایات میں ان راتوں اور اکیسویں شب کے متعلق بھی احادیث رسول و آثار صحابہ نقل کئے گئے ہیں۔ تاہم نبی ﷺ کے آخری عشرے میں عبادت میں زیادتی و محنت اور چارے عشرے کے احکاف کو نظر میں رکھتے ہوئے چارے عشرے کی اس راتوں اور خاص کر طلاق راتوں میں خوب عبادت کی جانی چاہئے اور کسی ایک رات کو عبادت کے لئے مخصوص نہ لیا جائے کہ بیکے بعد دیگرے۔

طرح آپ ﷺ نے شب قدر میں مخصوص سورتوں کے ساتھ نوافل ادا کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ تعلیم نہیں فرمایا۔ منقطع (جس نے قیام کیا) کہ اگر اس کو عام رکھا ہے کہ ہر کوئی جس طرح چاہے نوافل پڑھے۔ اس رات میں مخصوص سورتوں اور کلمات کے ساتھ مخصوص انداز و تعداد میں نوافل ادا کرنے کی روایتیں، جن میں بے اعتبار فضائل بیان کئے جاتے ہیں، بشمول صلوٰۃ التبیح، صوفیوں کی ایجادیں ہیں۔ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

اعتکاف

اعتکاف کے لفظی معنی ہیں قصر، رکنا، قیام کرنا۔ اصطلاحاً مسجد میں عبادت کی غرض سے قصر جانے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ رمضان کی عبادتوں میں سے ایک عبادت اعتکاف بھی ہے۔ نبی ﷺ ہر سال رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے۔ (۱۳۷) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں درمہ اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ پھر آپ کی لوانہ نے اعتکاف کیا۔ (۱۳۸) اس وقت کو آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ عبادت میں گزارتے۔ راتوں کو جانتے تھے۔ (۱۳۹) اس عشرے میں آپ ﷺ عبادت میں اتنی محنت کرتے تھے جو اور دنوں میں نہ کرتے۔ (۱۴۰) اعتکاف کی جہاں یہ فضیلت ہے کہ مدہ تمام مصروفیات سے کنارہ کش ہو کر اپنے رب کی عبادت کے لئے یکسو ہو جاتا ہے، وہیں وہ بہت سی مصیبتوں سے بھی بچا رہتا ہے۔ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے۔ (۱۴۱) اعتکاف کے لئے کپڑے وغیرہ کے نیچے لگائے جانے چاہئیں (۱۴۲) جس میں بسیر بھی چھایا جاسکتا ہے۔ (۱۴۳) صحاح کی بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی طبع السلام صلوٰۃ الفجر کے بعد اپنے معتکفین میں داخل ہوتے۔ اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اعتکاف کی ابتداء صومیں روزے کی فجر سے ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم کی روایات سے جہت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک آخری عشرے ہی میں اعتکاف فرمایا ہے اور آخری عشرہ تو آٹھ سو میں شب سے شروع ہوتا ہے۔ لہذا مستحسن طریقہ یہی ہے کہ اعتکاف کی ابتداء آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے کی جائے جو صومیں روزے کے آغاز کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا ابتداء میں روزہ اعتکاف

میں ہی آغاز کیا جائے۔ مستحب (اعتکاف کرنے والا) بلا ضرورت مسجد سے باہر نہ جائے۔ (۱۴۴) اگر مسجد میں کھائے پیئے یا کوئی ضروریہ کا مدد و سہہ میں ہے تو ان کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔ (۱۴۵) محکم سے اس کے رشتہ دار، بیوی وغیرہ ملے مسجد آسکتے ہیں۔ (۱۴۶) مانعہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کا اعتکاف میں سر و حویا اور تنگنہ کی۔ (۱۴۷) جب سر و حویا جاسکتا ہے تو حویا بھی جاسکتا ہے۔ اس لئے محکم و وقت ضرورت اعتکاف کی حالت میں غسل بھی کر سکتا ہے اگر مسجد میں انتظام ہو۔ اگر ضرورت نہ ہو تو اعتکاف کا زیادہ سے زیادہ وقت مقام اعتکاف ہی میں گزارا جائے اور اپنی جگہ سے بغیر ضرورت کے نہ بٹھے۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی اعتکاف کر سکتی ہیں لیکن گھر میں، مسجد میں نہیں۔

ماہ مبارک میں اتفاق

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے جو اوصاف تھک تھک بیان کئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے دئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اولاد آدم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لئے ان میں باہم شفقت و محبت ہو ضروری ہے، بالخصوص مومن بھائیوں میں۔ ان کا فطری تقاضا یہ ہے کہ مومن صالح کے دل میں ایک مسکین کی ضرورت کا احساس ہو اور اس کو پورا کرنے کے لئے اپنی محنت و مشقت کی کماٹی میں سے کچھ خرچ کرے۔ یہ احساس اس ماہ مبارک میں زیادہ شدید ہو جاتا ہے جبکہ بھوک، پیاس، عبادت اور قیام اللیل زیادہ سے زیادہ تقرب الی اللہ کا سبب بنتی ہیں تو خیر کے کاموں میں آگے بڑھنے کا شوق اور مسہد و صلہ بھی بڑھتا ہے۔

نبی ﷺ کی عبادت و خیرہ کی شدت کا اندازہ لو پر بیان کی گئی حدیث سے ہوتا ہے اور اتفاق اور دیگر خیر کے کاموں میں آپ ﷺ کی عجزی و تنہائی کا نقشہ مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتی ہے:

محدثین مہاشا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ غمی تھے اور رمضان میں (خصوصاً) بہت زیادہ عبادت فرماتے جبکہ جبریل آپ سے ملاقات فرماتے اور جبریل رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرتے اور قرآن کا دور فرماتے تھے، جو دنوں میں آپ کی عبادت (بدش لائے والی) تیز ہوتے بھی زیادہ ہوتی۔ (۱۴۸)

غرضیکہ جو اللہ کے بندے اپنے رب کی رحمت و مغفرت

کے زیادہ سے زیادہ طلبکار ہیں، ان کو اس ماہ مبارک کی سعادت کے حصول میں اس پہلو سے بھی کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔ اس مہینے میں ہر عمل خیر کا اجر بہت بڑھ چکا کرتا ہے اس لئے اس مہینے کو زیادہ صدقات کے لئے مخصوص کیجئے، اور صدقہ الفطر کو عید الفطر سے پہلے ادا کیجئے تاکہ مستحقین عید کی تیاری میں اس کو استعمال کریں۔ اپنے بھائیوں کی مدد کے ذریعے رب کریم کی مغفرت و رحمت کا حقدار بن جائے گا موقع ہاتھ سے نہ جاتے دیں۔

صدقہ الفطر روزوں کی زکوٰۃ ہے جس کے ذریعے روزوں میں ہو جانے والی تقصیرات کا تزکیہ و ازالہ کیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ ہر مسلم مرد و عورت، چھوٹے بڑے سب پر ہے۔ (۱۴۹) صحابہ کرامؓ، مہاجر، مہاجر، کنش و غیرہ سے ایک صاع صدقہ الفطر دیا کرتے تھے۔ (۱۵۰) صحاح کی بعض روایات سے نصف صاع گندم کی مقدار بھی ثابت ہے (۱۵۱) اور مسلم کی روایت میں صحابہؓ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۱۵۲) اس طرح نصف صاع گندم صدقہ الفطر کی بھی عبادت کی رو سے گنجائش موجود ہے۔ لیکن صاحب استطاعت ایک صاع لو کر میں تو بھر ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صاع کے تعین میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک صاع چار منہ لیا جاتا ہے جو تقریباً پونے تین کلو گرام ہوتا ہے، جبکہ دوسروں کے نزدیک ایک صاع پانچ منہ لیا جاتا ہے جو تقریباً ساڑھے تین کلو گرام ہوتا ہے۔ عراقی اور شامی لوزان میں بھی کچھ فرق ہے۔ یہ حال احتیاط کے پیش نظر یا وزن اختیار کرنا قابل ترجیح ہے۔

اللہ تعالیٰ سے پر خلوص دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ماہ مبارک کی سعادتیں اور برکتیں سمیٹے، اپنے اخلاق و کردار، سیرت و اطوار ستوارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے اندر اپنے متقی و مومن بندوں کے اوصاف پیدا کرے اور اس رحمت و برکت کے مہینے کی ترویج سے ہمارے حسن اخلاق اور نیک اعمال کی روش میں مدد و لوم ہو آمین

حوالہ جات

- (۱) صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین باب صلوٰۃ اللیل۔ (۲) سورۃ القدر۔ (۳) بیہقی، حوالہ مشکوٰۃ، کتاب الصوم۔ (۴) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۸۹۔ (۵) ایضاً۔ (۶) جامع ترمذی، ابواب الصوم، باب ۱ / سنن ابن ماجہ،

سُلَیْمَانُ عَلَیْهِ السَّلَام

سعید احمد

قرآن انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کے متعلق بتاتا ہے کہ وَ جَاءَكَ مِنْ هَذِهِ الْحَقُّ یعنی اس قرآن کے ذریعے آپ کو حق مل گیا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس حق کی روشنی میں سلیمان علیہ السلام کے حالات و واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی دلاور علیہ السلام کے چنے گئے تھے۔ آپ کو اللہ نے دلاور علیہ السلام کا وارث قرار دیا ہے۔ اس طرح حکومت و اقتدار اور نبوت دونوں آپ کو ورثے میں ملیں۔ حالانکہ نبوت کوئی موروثی چیز نہیں کہ نسل در نسل چلتی رہی ہو، یہ تو خاص امتداد عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو پسند فرماتا ہے اس کو اس منصب پر فائز کرتا ہے۔ لاریب، سلیمان علیہ السلام اللہ کے منتخب بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھری بندہ قرار دیا ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ مَا نُعْطِي الْقَبِيلَ مَا (سورہ ص ۳۰)

”اور ہم نے دلاور (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) عطا کیا۔ ہم بھرپور نہیں دیتے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے کسی بندے کو بھری بندہ قرار دینا معمولی بات نہیں، بلکہ یہ تو بہت بڑا اعزاز ہے جو مالک الملک کی طرف سے سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا۔ ویسے تو حکومت و اقتدار انھیں ورثے میں مل چکی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی حکومت اور جلال و شہرت سے نوازا گیا جس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ دلاور علیہ السلام کے بعد جب سلیمان علیہ السلام کو حکومت ملی تو اللہ نے ان کی ویسی ہی آزمائش کی جیسا کہ وہ دیگر انبیاء کی کر چکا ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ۖ وَالْقَيْنَ ۚ عَلٰی كُوفِهِ ۚ جَسَدًا ۚ ثُمَّ اَنَابَ ۙ (ص ۳۶)

”اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو آزمایا، اور اس کی کمری پر ایک جسم ڈال دیا، پھر انھوں نے رجوع کیا۔“

کہ انبیاء کے کردار اسرائیلی روایات کے عین مطابق نظر آنے لگے۔

سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ آپ پر بھی آپ کی قوم نے مختلف جھوٹے اور شرماک الزامات عائد کئے اور ہمارے مفسرین نے ان کو معمولی تبدیلی کے ساتھ قبول کر کے قصیر کا حصہ بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقید الشاغل حکومت و اقتدار اور ہجرات سے نوازا تھا اس پر حاشیہ آرائی اور فن الہیہ نویسی کا خوب خوب مظاہرہ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی عظیم الشان حکومت و اقتدار جلد وہ غیرہ کی مرحون منت تھی۔ حالانکہ ہرگز ہرگز ایسا نہ تھا البتہ سلیمان علیہ السلام کے دور میں بحر و ساحری کا بوازور تھا اور بعد میں شیاطین ان کی سلطنت کا نام لے کر شیطانی کلمات پڑھتے تھے اور توہمات اور فاسد عقائد کو پھیلاتے تھے۔ قرآن ان کی فلاح و روش کی تصویر پیش کرتا ہے:

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ نَلَكٍ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرُ سُلَيْمَانُ ۖ وَلٰكِنَّ الشَّيْطَانُ كَفَرٌ ۚ يَعْتَصِمُونَ النَّاسَ السَّيْئِرَ (البقرة ۱۰۲)

”اور ان چڑیوں کی پیروی کرنے لگے جو شیاطین سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت کا نام لے کر پھاڑتے تھے، اور سلیمان نے انھیں نہیں کیا بلکہ یہ شیاطین ہی ٹکڑ کرتے تھے جو لوگوں کو سرگردان کرتے تھے۔“

انھوں نے جو کچھ کہنا پڑتا ہے کہ آج اس نام فسادت مسلہ کا بھی سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایسا ہی خیال ہے۔ چنانچہ جادو ٹوٹنے کے من شیطانی اعمال کو ”عملیات سلیمانی“ اور ”نقوش سلیمانی“ وغیرہ کے نام سے مرتب کر کے کتابیں فروخت کی جاتی ہیں۔ ہمارے ان کے یہاں بھی سلیمانی ٹوپی اور سلیمان علیہ السلام کی جادوئی انگشتری مشہور ہے۔ یہ کیف قرآن نے صحیح صورت حال پیش کر دی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات مومنین کی بصیرت و موعظہ اور توحید قلب اور اصلاح فکر و عمل کے لئے بیان فرمائے ہیں:

وَ كَلَّا نَقْصُ عَصَاكَ مِنْ آثَانِ ۚ الرَّسُلُ مَا تُخْبِتُ بِهِ فَوَازَكَ ۚ وَ جَاءَكَ مِنْ هَذِهِ الْحَقُّ وَ تَوَعُّطًا وَ تَنْكَرًا لِلْفَقْرِ وَ بَيْنَ ۙ (هود ۱۲۰)

”اور رسولوں کے وہ تمام حالات جو ہم نے تم سے بیان کئے ہیں ان کے ذریعے تم ہم سے تمہارے دلوں کو مضبوط رکھتے ہیں اور ان میں جیسے حق ملتا ہے، اور یہ مومنین کے لئے بصیرت و موعظہ ہے۔“

مگر انھوں نے ہمارے یہاں بھی قدیم یحوی قوموں کی طرح حصص الانبیاء کو افسانہ طرز کی اور حاشیہ آرائی کر کے دیوالاکی تھے کہ انہیں بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کو محض دلیلی اور وقت گذاری کا سامان بنا کر رکھ دیا، اور مطالعہ کرنے والوں کو ان کے بصیرت و موعظہ کے عظیم مقاصد سے بیکر محروم کر دیا گیا۔ قرآن و سنت میں انبیاء کے حالات و واقعات اور پیش و در رسولوں کی مرتب کردہ ”حصص الانبیاء“ میں وہی فرق ہے جو اللہ کی محفوظ اور غیر متبدل کتاب قرآن مجید اور محرف شدہ و ٹکڑ الہامی کتابوں کے درمیان ہے اور جو موجودہ عقل میں بخیرت مقامات پر کذب و افتراء سے معمور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فراموش فاسق و فاجر قوموں کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر لگائے گئے جھوٹے سبے جھوٹے، گھڑائے اور شرماک الزامات کے داغ و جبوں کو صاف کر کے ان پاکیزہ شخصیات کے اصلی اور صاف و شفاف کردار کو انسانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ مگر انھوں نے امت کے مولویوں اور مفسرین پر جنھوں نے اسرائیلی روایات کو قرآن کی تفسیر میں ایسا سودا

سلیمان علیہ السلام کی اس آزمائش کی تفصیل قرآن و حدیث میں نہیں آئی ہے اور نہ ہی کسی پر والے مجھے جسم کی تفصیل بیان ہوئی ہے، لہذا ہم بھی اس پر اپنی طرف سے کچھ قیاس آرائی اور خداداد فرسائی مناسب نہیں سمجھتے۔ ہمارے مفسرین نے اپنی عادت کے مطابق اس کی تفسیر میں عبادی کی ایک روایت کو چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں سلیمان علیہ السلام کی ایک رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس جاسے اور ان میں سے ہر ایک کے یہاں ایک تریہ لوالہ ہونے کا واقعہ مذکور ہے۔

ظاہر یہ دونوں الگ الگ باتیں یا واقعات ہیں (اور اللہ کے ہی علم کے ان کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو بیان نہیں فرمایا ہے۔ یہ مفسرین کی ذاتی اختراع ہے۔ یہ حدیث کے ملاحقہ کو ان آیات کی تفسیر پر چسپاں کرتے رہے ہیں۔ احادیث میں بیان کردہ واقعے کو کہیں بھی نہایت آیت کی تفسیر کے طور پر ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے، لہذا عبادی کے واقعہ کو اس آیت پر چسپاں کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ میرا حال اس آزمائش پر انبیاء کی سنت کے مطابق سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی طرف رجوع کیا، پہلے مغفرت طلب کی اور پھر فقید الشال حکومت کے لئے دعا کی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْفِكُنِي لِأَحَدٍ مِّنْ دُونِي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٢٥﴾ (ص ۲۵)

” (سلیمان علیہ السلام نے) کہا کہ میرے رب مجھ کو صاف کر دے اور مجھ کو ایسی ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو بھی حاصل نہ ہو۔ یہ شک دوسرے کے لئے ہے۔“

سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی بے مثال حکومت عطا کی جو کسی کے حصے میں آئی اور نہ ہی آئے گی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَسَخَرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُحًا حَيْثُ أَمَرَهُ ﴿٢٦﴾ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَخَوَّاصٍ ﴿٢٧﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٢٨﴾ هَذَا عَطَاؤُنَا فَانْتَحِ أُوْلَئِكَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٩﴾ (ص ۲۶ تا ۲۹)

”ہم نے اس کے لئے سحر کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہے ان کے علم سے نرم نرم چلے جاتی اور شیاطین کو بھی ان کے لئے سحر کر دیا کہ ہر طرف کے صمد اور غوطہ خور تھے اور دیگر کو بھی جو ڈنچہ میں پکڑے ہوئے تھے۔ (ہم نے ان سے کہا) یہ عبادی نہیں ہے، یہ چاہو تو صاف صاف کر دیا چاہو تو رکھ پھرو، (ہم

سے) احباب نہیں ہو گئے۔“

دعا کی قبولیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں ان کے اقرب اور اعلیٰ مقام کا ذکر بھی فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

وَإِنَّا لَفَعَلْنَا لَأُولَئِكَ وَحْمَنَ مَخَابٍ ﴿٣٠﴾ (ص ۳۰)

”اور یہ سب اس کیلئے ہمارے یہاں اقرب اور اعلیٰ مقام ہے۔“

قرآن کے دیگر مقامات پر سلیمان علیہ السلام پر اللہ کی عطا کی عزت تفصیل بیان ہوئی ہے:

وَالسَّلِيمِينَ الرِّيحَ غَدُوَهَا شَهْرًا وَزَوَّاجَهَا شَهْرًا ۚ وَاسْتَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقَبْرِ ۚ وَبَيْنَ الْجِبِّ مَن يَفْعَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ يَلْذَن رِبَ ۚ وَمَنْ يَرْغُ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذْفِقُهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٣١﴾ يَفْعَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ تَحْوِيلٍ ۚ وَتَحَاوَصَ الْجَفَّاءُ كَأَ لُحُوبٍ وَقُدُورٍ رَّسِيَّتٍ ۚ اِغْلُظْ آلَ ذَاوُدَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿٣٢﴾ (ص ۳۱، ۳۲)

”اور (ہم نے) ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے سامنے کر دیا تھا، اس (ہوا کی) سیج کی حوالہ ایک مہینے کی رو ہوئی اور عجم کی حوالہ بھی مہینے کی ہوئی، اور ان کے لئے ہم نے چلنے والے تانبے کا پتھر بے لیا تھا اور جنوں میں سے ایسے بھی تھے جن کے رب کے علم سے ان کے آگے کام کرتے تھے، اور جو کوئی بھی ان میں سے ہمارے علم سے باہر تھا، اس کو ہم آگ کا حرہ بچھاتے، وہ (سلیمان) جو چاہتے ہیں (جن) ان کے لئے جاتے یعنی تھے اور قاتل اور غوطہ خور سے بچھاتے تھے گن اور انہیں جو ایک ہی جگہ رہی رہیں، اسے (علیہ السلام) کی لوالہ! سحر کر، اور میرے بعد میں سحر گزرا تو میرے ہی ہے۔“

سورۃ الانبیاء میں یہی باتیں الفاظ آئی ہے:

وَالسَّلِيمِينَ الرِّيحَ غَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ﴿٣١﴾ وَبَيْنَ الشَّيَاطِينِ مَن يُغْوِسُونَ لَهُ وَيَفْعَلُونَ عَمَلًا ذَوْنًا ذَلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٣٢﴾ (الانبیاء: ۳۱، ۳۲)

”ہم نے ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے سامنے کر دیا اور ان کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے رکھ دے رکھی تھی، اور ہم ہر چیز کا رکھنے والے تھے، اور یہ سب سے شیاطین بھی ہم نے ان کے سامنے کر دے تھے جو ان کے فرمان سے غمے لگاتے تھے اور ان کے سوا اور بھی سب سے کام کرتے تھے۔ اور ان کے کہیں بھی تھے۔“

ان آیات کی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ”تفسیر ربیع“ یعنی ہوا کو سحر کرنے یا تابع

کرنے کی کئی صورتیں بیان کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھ جاتے اور ہوا ان کے حکم کے مطابق تخت کو اڑاتی ہوئی وہاں لے جاتی جہاں وہ جانا چاہتے، اور کوئی کہتا ہے کہ ان دنوں بڑی ستر ہو لوں کی جہت پر ہی قصہ قہار بڑی ستر کے لئے ہوا ان کے حکم کے مطابق ان ضرورتوں کے مطابق چلتی تھی، وغیرہ وغیرہ۔ قرآن نے ہوا کو جامع فرمان کرنے کی کوئی صورت نہیں بتائی، سوائے اس کے کہ ان کے حکم کے مطابق چلتی اور جہاں وہ جانا چاہتے ان کو پہنچاتی تھی، نیز یہ کہ وہ جب چاہتے تو صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے اور جب چاہتے شام کو ایک ماہ کی مسافت کے برابر فاصلہ طے کر لیتے، یعنی ہوا اتنی حیرت انگیز کے بلو جو نرم رفتار تھی چنانچہ سفر باعث راحت تھا، وہ طور گزرنے قہار ہر کیف یہ تو ہے قرآن کی بات، اور حدیث میں بھی اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔ قرآن میں جس قدر بیان ہو لے ایمان والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ویسے بھی اس کے مطلق اس سے زیادہ جانا بھی کچھ ضروری نہیں۔ البتہ یہ بات واضح ہو گئی کہ سلیمان علیہ السلام کی بے مثال حکومت کی امتیازی باتوں میں سے ایک ”تفسیر ربیع“ تھی، اور ہمیں اس کو بغیر جدول اسی طرح تسلیم کر لینا چاہیے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔

لوہر جوش کی مٹی آیات میں دوسری اہم بات شیاطین اور جنات کا سلیمان علیہ السلام کے لئے سحر کرنا بیان ہوئی ہے۔ اس بات کو ذرا اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جنوں پر ان کا یہ تسلط اقتدار اللہ کے حکم کے مطابق تھا اور خاص انہی کے لئے تھا، اور یہ قید الشال شرف امتیاز بھی ان کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا، چنانچہ فرمایا:

وَمِنَ الْجِبِّ مَن يَفْعَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ رِبَ ۚ وَمَنْ يَرْغُ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذْفِقُهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٣١﴾ (ص ۳۱)

”اور اس کے رب کے حکم سے جس جنات اس کی جہت میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے باہر تھی، (ہم نے) اسے عذاب دیا، اور اسے عذاب کا حرہ بچھاتے۔“

یہ آیت اور دیگر آیات صاف بتا رہی ہیں کہ یہ معاملہ سلیمان علیہ السلام کے لئے خاص تھا، مگر آج ہمارے یہاں اس کو جوڑنا مگر ہمارے سچ اور نبولوی نے علمائے یسود کی روش اختیار کر لی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے (البقرہ ۱۰۳)

اور وہ روحانی عامل بن کر جنوں کے لوہے تسلط رکھنے کے
و عوید اور بنی پٹھے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میرے قبضے میں آتے
جن ہیں کوئی کہتا ہے میرے قبضے میں آتے ہیں۔ ایک
و جن قبضے میں رکھنے والے تو بہت سے پائے جاتے ہیں۔
جنوں کو وہ جنوں میں مدد کر کے رکھنے کے بھی دعوے کئے
جاتے ہیں۔ انہوں نے ان جھوٹے اور بے بنیاد دعووں پر ہی
اکٹھا نہیں کیا بلکہ بے شمار روحانی مطب کھول کر اپنی دکانیں
چمکانی ہوئی ہیں، جہاں پر یہ ”روحانی عاملین“ آنے والے
لوگوں پر جنوں کے سوار ہونے کی تحفیں کرتے ہیں اور جن
امداد کے یہاں ملے اور عزت لوٹتے ہیں! یہ خالص
فریب ہی فریب ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔
قرآن کے مطابق بنات انسان سے بالکل جدا ایک دوسری
مختلف مخلوق ہے اور ان کا اندازہ کار انسان کے اندازہ کار سے
قطعی مختلف ہے، اور وہ انسانوں کے لئے غیر مرئی اور غیر
حسی ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا سلیمان علیہ السلام کے لئے
جنوں کو مسخر کرنا اور ان پر آپ کا تسلط ہونا خاص انہی کے
لئے تھا۔ یہ حقیقت تھی ان کا مجبور تھا جو ان کی دعا کی قبولیت کی
وجہ سے اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔

ایک طرف تو ان آیات سے پیش روہوں نے ”روحانی
عمل“ کا جو حاصل کیا تو دوسری طرف انکا حدیث کا ذوق
رکھنے والے ملاحظہ نے جو مجھوے کے بھی انکاري ہیں اور
جنوں کے وجود کے بھی، ان آیات کی بہت ہی مضحکہ خیز
تاریکی کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نظر میں سلیمان علیہ
السلام کے تابع جنوں سے مراد قوی بیگل انسان ہیں، جبکہ
”ہد ہد“ کسی ذمہ دار شخص کا نام ہے۔ یہ بلاشبہ کتاب اللہ کی
آیات سے صرف نظر کرتے ہوئے من مانی ترویج کے
ذریعہ کتاب اللہ کے ساتھ بدترین مذاق کیا گیا ہے جس کی
جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ قرآن نے تو ”جن“ کو
علیحدہ مخلوق کہا ہے (سورہ بقرہ ۱۰۲، سورہ اعراف ۲۷، سورہ
ہود ۷۴، سورہ زمر ۲۱)۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آئیگی۔
سورہ سبا کی درج بالا آیت نمبر ۱۲ میں آپ نے دیکھا کہ
جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے دیگر چیزوں کے علاوہ
تہاشل بھی بنایا کرتے تھے۔ اس پر بھی ہمارے مفسرین نے
بہت سی خاموشیاں فرمائیں ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ
جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے مجھے اور مورچوں بنایا
کرتے تھے اور ان کی شریعت میں اس کی ممانعت نہیں تھی۔

کیسی عجیب و غریب بات ہے یہ امت اور مورچوں تو بیٹھ سے
ہی پوجا پاٹ کا سامان اور بدترین شرک کی جڑ پیدا ہوتی رہی
ہیں۔ بھلا شرک کا بنیادی سبب تھے والی چیزوں کی دین میں
چھوٹ کیسے دی جاسکتی ہے! سلیمان علیہ السلام سے قبل
نازل ہونے والی کتاب توریت میں اس کی دعوی شدت سے
نئی آئی ہے۔ توریت میں تو صرف اس کام سے روکا گیا ہے
بلکہ اس کام کے کرنے والے پر لعنت تک کی گئی ہے۔

”اور تم اپنے لئے حد نہ بنانا اور نہ کوئی حرام ہونی صورت یا
لاٹ اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شیہ وار پھر
رکھنا کہ اسے مجھ کرہ۔ اس لئے کہ میں خداوند تعالیٰ خدا
ہوں۔“ (امید باب ۲۶)
”تو جو کہ تم کو کسی شکل یا صورت کی نمودی ہوئی صورت
اپنے لئے بنانا جس کی شیہ کسی مرد یا صورت یا زمین کے کسی
حیوان یا ہوا میں آئے اسے پرست نہ کرو۔ یا زمین کے، آسمان کے
جائے اور یا پھل سے جو زمین کے نیچے پانی میں رہتی ہے مٹی ہو۔“
(استغاثہ باب ۲)

”ممانعت ہو اس کوئی پر جو کھڑکھڑکی کی ممانعت کی طرح نمودی
ہوئی یا اوصالی ہوئی صورت یا کچھ خداوند کے نزدیک کرہ ہے
اس کو کسی پر شہدہ نہ کرے اور سب لوگ جواب دیں اور
کہیں کہیں۔“ (استغاثہ باب ۲)

معلوم ہو کہ سلیمان علیہ السلام سے قبل اتاری گئی
کتاب میں مورچوں اور مجھے بنانے کی سختی سے ممانعت کر دی
گئی تھی۔ اس ممانعت کے بعد سلیمان علیہ السلام کے متعلق
یہ کہنا کہ وہ جنات سے مورچوں اور مجھے بناتے تھے اور ان کی
شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا امر افسانہ پھر نئی پر بہتان
عظیم ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں لفظ
”مما یخلق“ لیا ہے اور اس لفظ کو یہ محض مجھے اور مورچوں کے
مخلوق میں ہی سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام
ہے اور ہر اس چیز پر لا جاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی
چیز کے مشابہ بنائی جائے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ انسان
العرب میں ہے۔

التعلیل اسم للشیء مشبہا بخلق من خلق اللہ
یعنی تشبیل ہر اس شے کا ہم ہے جو اللہ کی تخلیق کردہ شے
کے مشابہ ہو۔

اب اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ تشبیل انسان کی
ہو یا جانور کی، پرندے کی ہو یا درندے کی، کسی بھی جاندار کی
ہو یا بے جان کی۔ جب یہ لفظ جاندار اور بے جان دونوں کے
لئے ہے تو سلیمان علیہ السلام کے لئے اس سے جاندار کی

تشبیل مراد لیتا ہی کیوں ضروری ہے؟ دراصل قرآن و
حدیث کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے اصول و کلیات اور
قرآن و حدیث کے نصوص کو پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری
ہے۔ ان سے صرف نظر کر کے تفسیر کرنا محض مگرانی کو
دعوت دینا ہے۔ العیاذ باللہ

بہر حال اللہ جل جلالہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بے
مثل حکومت و اقتدار سے نوازا تھا، یہاں تک کہ جنات پر بھی
وہ سحر لائی کرتے تھے اور جنات ان کی خدمت جلاتے۔ ان
کی دعا کی قبولیت پر ان کو دی گئی عظیم الشان حکومت صرف
ہو لوں کو مسخر کرنے اور جنوں پر تسلط پر ہی مبنی نہیں تھی
بلکہ اس طرح کی اور بے شمار عنایات و اکرام اللہ نے ان پر کی
تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ نے انہیں علم عطا
فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عَلَمًا (النمل ۱۵)
”اور ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہ السلام) کو علم عطا کیا۔“

علم ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی اور بدل ممکن ہی
نہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے علم اور حکومت کی شان
بھی دیکھئے کہ انہیں پرندوں کی دعا کا علم بھی عطا کیا گیا اور ان
پر انہیں اقتدار بھی عطا ہوا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرنی
چاہئے کہ یہ علم و اقتدار اس قسم کا نہیں جس میں اکثریتی فن
کے ماہرین خصوصاً اشاروں کے ذریعے سکھائے ہوئے
پرندوں اور دوسرے جانوروں سے کچھ کام لے کر دکھائی دیتے
ہیں، بلکہ قرآن نے تو واضح قرار دے میں اس بات کو جان کیا
ہے کہ یہ عظیم الشان نعمت مجھوے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی
طرف سے عطا کی گئی تھی اور اس کا سلیمان علیہ السلام نے کیا
حق اعتراف بھی فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَّمْنَا مَتَّطِفِ الطَّيْرِ وَ
أَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ إِنَّ هَذَا لَهَوُ الْفَضْلِ
الْمُبِينِ ﴿۱﴾ وَخَشِيَ لِسُلَيْمَانَ خَنُودًا مِنَ الْجِنِّ
وَالنَّاسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۲﴾ حَتَّىٰ إِذَا
أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ ۖ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ
ادْخُلُوا مَسْكِنَتَكُمْ ۖ لَا يَخْطِبُكُمْ سُلَيْمَانُ
وَجُنُودُهُ ۚ وَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۳﴾ فَنَبَّيْنَاهُ
مِنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ
أَسْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ
وَأَنْ أَقْنِلَ صَالِحًا نَرَاةً وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ

فِي حَيْثُ لَا تَمْلِكُ الْمَلٰٓئِكَةُ شَيْئًا ۖ (النحل ۱۶ تا ۱۷)
 سمجھو انہوں نے کہا، اور تو کہہ رہا ہے کہ ان کی ہاں نہیں کہہ سکتی گی ہیں،
 اور جس پر عرض کی جاتی ہے کہ وہی ہے (اللہ ہی کا)
 لایں فعل ہے۔ اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے جن اور
 انسانوں اور پرندوں کے اظہار کی گئی تھی وہ وہی ہے جو وہ چاہتے ہیں
 ان کے لئے کہے جاتے تھے۔ (اور وہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ کوفہ
 کہہ رہے تھے) ایسا کہ جب یہ سب خود بخود کی دہائی میں
 پہلے تو ایک ہی تھے کہ ان کے لئے جو تھے اپنے ہی میں کہیں چلا
 کہیں پہنچتے ہو کہ سلیمان (علیہ السلام) اور اس کے لشکر حسین
 بیکل واپس ہو۔ انہیں خبر بھی نہ ہو۔ تو سلیمان اس بات پر جس
 چاہے لڑتے تھے۔ اسے یہ یہ کہہ رہے تھے تو حق مطلق کہ جسے
 اس احسان کا شکر ادا کر رہا ہوں وہ تو ہے جو کہ ہرگز نہ ہو اللہ ہی
 پر کیا ہے، اور انہی عمل صالح کروں جو تجھے پسند آئے، اور انہی
 رحمت سے جو کہ اپنے ساتھ وہی میں داخل ہوں۔

آیت صحائف مبارکہ میں ہے کہ پرندوں کی زبانیں سمجھتا ہوں
 ان کو احکام دینے کا معاملہ ایسا ہی تھا جیسا انسانوں کے ساتھ
 ہوتا ہے۔ اور اس میں خبر دہائی کی بھی کوئی بات نہیں، جن کو
 عام طور پر بے زبان سمجھا جاتا ہے وہ درحقیقت کہتے ہیں۔
 اور کسی کو اس میں بھی اشکال کیوں ہو کہ سلیمان علیہ السلام
 ایک خود بخود کی بات سن اور سمجھ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو
 یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی اور اللہ کو ایسا کرنے میں کوئی چیز
 مانع نہیں، وہ تو خالق مطلق شئی، اور قادر مطلق ہے یعنی ہر
 چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اگر اس کو فی الواقع ایسا ہی مان
 لیا جائے تو پھر کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اشکال پیدا
 ہونے کی جگہ ہی وجہ اللہ پر حزن لڑا ایمان یا مطلق ایمان کا
 فقدان ہے۔ مغرب کے طرز فکر سے مراد یہ کہ جب اللہ مادی سوچ
 رکھتے والوں کا اور دہرہ عقلیت پر ہوتا ہے، ان کے حلق سے
 یہ بات کیسے اتر سکتی ہے کہ خود بخود جیسا چھوٹا جانور جس کی
 آواز سنائی ہی نہیں دیتی، اس کی آواز کو کوئی اللہ کا کلمہ سن اور
 سمجھ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مثل (خود بخود) کے نام
 سے ایک انسانی قبیلہ اخراج کر دیا ہے اور "خلفہ" کو اس کا
 ایک فرد قرار دے دیا تاکہ یہ سب انسانوں کا معاملہ بن جائے
 اور ان کی ناقص عقل میں یہ واقعہ پار اتر جائے۔ ذرا غور
 فرمائیے کہ بلا فیما کون سا انسانی قبیلہ ہو سکتا ہے کہ جس کو
 سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بیکل والے اور خود انہیں خبر
 تک نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں خود بخود کی تصریح میں لیا ہے:

لَا يَسْمَعُ لَكُمْ سُلَيْمٰنٌ وَجُنُودُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ
 - کہیں ایمان ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر حسین بیکل والے اور
 انہیں خبر بھی نہ ہو۔

اس آیت پر ذرا غور کیا جائے۔ اس واقعہ میں ان پرندوں
 کے لئے بھی سبق موجود ہے جو اللہ کے علاوہ دوسری
 ہستیوں کو بھی عالم الغیب سمجھتے ہیں، خصوصاً انہی تو اور صالحین
 کو۔ اس کی توجیہ فی جیسے معمولی جاندار نے بھی نفی کی ہے
 جسکی قیود کہتی ہے کہ

"اپنے ہی میں تمہیں چاہے، کہیں دیکھا ہو کہ سلیمان اور ان کا
 لشکر حسین بیکل والے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔"
 دیکھئے اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کر کے انسان کی عقل و دانش
 پر سخت نکتہ لگایا ہے، خود بخود کی زبان سے یہ کہنا کہ سلیمان
 علیہ السلام محبوب کی باتوں سے بے خبر ہیں، جبکہ اسن تقویم
 پر تحقیق پانے والے انسان نے اپنے آپ کو اس درجے سے
 مگر اگر اسن السالین کے درجے تک پہنچا دیا ہے، اور وہ اللہ
 کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے بے شمار ہستیوں کو غیب کا
 جاننے والا سمجھتا ہے، ان کو ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ تک ہے تم
 پر اسے نادانوا تم خود بخود کی جیسے معمولی کچڑے سے سبق حاصل
 کیوں نہیں کرتے؟

اللہ تعالیٰ نے ختم العبد سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی
 زبانوں کے علم کے ساتھ ساتھ ان پر اقتدار بھی عطا کیا تھا۔
 اس منظر و اقتدار کی ایک جگہ قرآن میں عیش کی گئی ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْنَ فَقَالَ مَالِيْ لَا اَرٰى الْقَهْقَهْءَ مِنْ اَمٍّ
 تَكُنْ مِنَ الْغَابِيْنَ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
 رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (النحل ۲۰ تا ۲۱)
 "انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا اور کہا: کیا ہے، میں بدد کو
 نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ کسی غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت
 براؤں میں لگاؤں گا، اور نہ اسے میرے سامنے منتقلی وجہ
 پیش کرتی ہوگی۔ اہی قصہ ہی ہی دیر گزری تھی کہ بدد آسمانوں
 ہو اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسا چیز معلوم ہوئی ہے جو آپ کے
 علم میں نہیں ہے۔ میں آپ کو اس سے ایک لمحہ بھی غافل نہ کر
 آؤں۔ میں نے ایک صورت دیکھی جو اس قوم پر حیرانی کرتی
 ہے اور وہ ہر حق پر میرے اور اس کا تختہ عظیم اللہ ہے۔
 میں نے دیکھا کہ وہ اس کو قوم اللہ کے جانے سونچ کو مجھ
 کرتی ہے، اور سلطان نے ان سے اعلیٰ خوشنما دے دیے اور
 انہیں (بیکل) راستے سے روک دیا کہ وہ یہ یہ یہ یہ یہ یہ یہ
 پاتے کہ اس اللہ کو مجھ کر ہی جو آسمانوں میں کی ہو شیدہ ہو
 گا وہ ہے اور وہ سب کہہ جاتے ہیں کہ تم لوگ پہچانتے ہو ظاہر
 کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک
 ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سلیمان علیہ السلام کو جو
 پرندوں کی زبانیں سمجھنے کا علم اور ان پر اقتدار دیا تھا اس کا

مصرح بیان درج بالا آیات میں ہوا ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ
 اللہ کا جس کی وجہ سے بعض کو کچھ فہموں کو یہ ممکن فکر نہیں
 آتا کہ ایک پرندہ کس طرح انسان سے محکوم ہو سکتا ہے اور
 ایک انسان کس طرح ان پر تسلط اور اقتدار رکھ سکتا ہے۔
 جیسا کہ لوہہ کہا گیا، انکار حدیث کا رد بیان رکھنے والے
 صاحبان کی عقل میں یہ بات نہیں آتی ہے چنانچہ انہوں نے
 اس کا یہ عمل نکالا ہے کہ بدد پرندے کو بدد ہی کوئی انسان
 قرار دے دیا، اور اس کی لائی ہوئی خبر کی جگہ پر اسے خبر
 رساں انجینی کا اہلکار بنا دیا اور جب ایسا کر لیا گیا تو پھر اپنے
 پسندیدہ کھیل کھیلنے کے لئے میدان باطل صاف ہو گیا۔ لطف
 یہ ہے کہ اس بدد جانور باطل جو بیکل کو حلف کرنے کے لئے یہ
 تک کہہ دیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں پرندوں کے ہاں پر
 انسانوں کے نام رکھنے کا رد بیان تھا، اس وجہ سے "بدد" پرندہ
 نہیں بلکہ انسان قدر مگر قرآن کا یہ اعلان ہے کہ اس قسم کی
 بھڑکی جویات اس میں گھسی نہیں کمپ نہیں، چنانچہ
 بڑی آسانی سے اس کا سد باب کر دیا گیا ہے۔ قصہ بدد کے
 شروع ہونے سے پہلے الفاظ ہیں کہ

تَفَقَّدَ الطَّيْنَ
 "جب سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا۔"
 تو معلوم ہوا کہ یہاں پرندوں ہی کی بات ہو رہی ہے نہ کہ
 انسانوں کی۔ حریف آں، ان آیات کو خالی الذہن ہو کر پڑھا
 جائے تو کہیں بھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ یہاں انسانوں کی
 بات ہو رہی ہے۔ کسی بھی صاف اور مصرح کام میں اس قسم
 کی بددلیوں اور تحریفوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، وہ جانک
 قرآن مجید جو اللہ کا کام ہے اور فصاحت و بلاغت اور جامع
 و لائق کا شاہکار ہے، اس سے ایسی بے سر و پلا تہمتیں منسوب کی
 جائیں گی (العیاذ باللہ)

اس قصہ بدد میں غور و فکر کرنے اور سمجھنے والوں کے
 لئے فصاحت و سوجھ بوجھ کے بعد سے پہلو موجود ہیں۔

(۱) بدد اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے
 کہ مجھے ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں۔
 ذرا غور کیجئے کہ بدد اپنے حاکم اور وقت کے نبی کے حلقے
 کس حقیقت کا انعکاس کر رہا ہے کہ وہ غیب دل نہیں کہ ہر
 پوشیدہ چیز کو جانتے ہوں۔ مگر اللہ اس امت پر جس نے
 اپنے حقیقت کو شرک سے توبہ کر لیا ہے اور بے شمار
 ہستیوں کو عالم الغیب قرار دے لیا ہے، انہی ان سے یہ پرندہ
 بھر نہیں جس کا عقیدہ شرک سے پاک ہے اور جو اپنے رب

کے بارے میں بالکل یکسو ہے؟ انہیں تو عقل و خرد سے نوازا گیا ہے، ان کو تو اپنے رب کے معاملے میں ایسا علم نہ کرنا چاہیے۔

(۲) قصہ ہمد میں ہمد کی حیرانی کی اہم وجہ قوم پر عورت کی عکرائی بیان ہوئی ہے۔ ایک پرندہ بھی اس غیر فطری چیز پر حیران ہوتا ہے اور اس کا نمایاں طور سے ذکر کرتا ہے، مگر آج امت کا حال یہ ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد عورت کی عکرائی کی نہ صرف قائل ہے بلکہ اسے جائز سمجھتی ہے اور اس کے لئے مختلف نیلے پیمانے تراشتی ہے (بعض دونوں کے ذریعے اس کا مطالبہ بھی کرتی ہے)۔ ستم تو یہ ہے کہ وہ اپنے زعم میں اسے قرآن سے جھٹ کرتے ہیں اور اس کے لئے بھی ملکہ سہا کا حوالہ پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ اعتقاد استدلال محض بدعت پر مبنی ہے۔ ملکہ سہا تو کافروں، سورج کی پرستش کرنے والوں پر عکس تھی، سلیمان علیہ السلام کی دعوت کے نتیجے میں ایمان لانے سے قبل وہ خود بھی اسی مذہب پر تھی۔ کافر و مشرک قوم پر اگر عورت عکس تھی تو وہ اسلامی معاشرے کے لئے بھلا کیسے دلیل بن سکتی ہے؟

(۳) ہمد کی حیرانی کی سب سے بڑی وجہ قوم سہا کی سورج پرستی تھی۔ چنانچہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو پوجتے دیکھ کر وہ حیران بھی ہو اور اسے انتہائی افسوس بھی ہوں ڈرا سوچتے کہ آج امت کو قبروں کو پوجتے دیکھ کر ان بے شعور اور بے زبان کچے جانے والے جانوروں کو کس قدر دکھ اور افسوس ہوتا ہوگا! اپنے آپ کو خلقت میں ممتاز سمجھنے والا انسان درحقیقت کیسی پستی میں ہے، اس کا اندازہ وہ ہمد کی ایمان افروز تقریر سے ہی لگا سکتا ہے۔ انسان کو جو رتبہ ملا ہے وہ اگر اس کے لوازمات اور تقاضوں کو پورا نہ کرے اور اپنے رب کے معاملے میں یکسو نہ ہو تو وہ درحقیقت اس آیت کا مصداق ہوگا:

إِنْ شَرُّ الْذَوَاتِ يَنْذِرُ اللَّهَ الَّذِينَ كَفَرُوا فَنَقَمُوا بِؤْلُفَهُمْ ﴿١٠٥﴾ (الاحزاب ۱۰۵)

”جہانم کے نزدیک زمین پر بیٹھے والے ترین حقوق والوں کی بدکاریاں، انہیں دہرایاں میں لاتے۔“

اللہ پر ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ شرک کرنے والوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا ایمان جس میں شرک کی طاوت ہو ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔ اللہ کے یہاں تو خالص ایمان ہی معجزہ اور مقبول ہے۔ آج ہم خدا امت

مسلمہ کا حال عجیب اس آیت کا مصداق نہ ہوا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ (یوسف ۱۰۶)

”لوگوں کی اکثریت اللہ کو باقی ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ شرک بھی کرتی ہے۔“

(۴) ہمد نے اپنے بیان کے آخر میں کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ قرآن میں دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ کے عرش کے متعلق ”عرش عظیم“ اور ”عرش کریم“ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کے برعکس ہمد نے یہاں پائے جانے والے دیوبند کی مکتبہ فکر کا عقیدہ ہے کہ قبر نبوی میں زمین کا وہ حصہ جو نبی علیہ السلام کے جسم سے مس کئے ہوئے ہے وہ عرش و کرسی اور کعبے سے بھی افضل ہے (عقائد طوائف دیوبند)۔ کتنا عقائد ہے دونوں عقائد میں، ہر عقیدہ دوسرے کی ضد ہے۔ اب جس کا دل چاہے وہ قرآن میں نہ کوہ ہمد کی بات مان کر اپنے عقیدے کی اصلاح کر لے اور جو چاہے وہ اپنے خود ساختہ باطل عقیدے پر بھروسہ کرے۔ آخر کار ہر دو عقائد کے حاملین کو اپنے حقیقی انجام سے دوچار ہونا ہے۔ وہاں خوب اچھی طرح سے حق و باطل کا پتہ چل جائے گا۔

الغرض سلیمان علیہ السلام ہمد کی غیر حاضری کی وجہ سن کر کہتے ہیں کہ ”ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو نے کج کہا یا بھوت لائے والوں میں سے ہے۔“ یہ واقعہ سورۃ النمل میں کچھ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام ہمد کو اپنا ایک خط دے کر ہدایت دیتے ہیں کہ میرا یہ خط لے جا اور ان لوگوں کی طرف ڈال دے، پھر ملک بہت کر دیکھ وہ کیا برقعہ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ ہمد عزم کی جاکوڑی کرتے ہوئے خط پہنچاتا ہے۔ ملکہ سہا کو جب وہ خط ملتا ہے تو وہ اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ ”اے الٰہ دربار! میری طرف ایک بڑا اہم خط ڈالا گیا ہے، وہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔“ ملکہ نے خط کا مضمون مانتے ہوئے کہا کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔ خط سنا کر ملکہ نے کہا، ”اے سردار ان قوم! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی معاملے کا فیصلہ حسد سے بغیر نہیں کرتی ہوں۔“ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طاقتور اور لڑنے والے لوگ ہیں، آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ خود دیکھ

لیں کہ آپ کو کیا حکم دیا ہے۔ ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، ابھی کچھ وہ کیا کرتے ہیں، میں ان لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ میرے اپنی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں۔ جب ملکہ کا قصہ سلیمان علیہ السلام کے یہاں ہدیہ و غیرہ لے کر پہنچتا ہے تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم لوگ سال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، اللہ نے مجھے جو کچھ دیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے، تمہارا ہدیہ حتیٰ کو مبادک ہو۔ تم ان کے پاس واپس چلاؤ، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ غور ہو کر رہ جائیں گے۔ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے تحائف کی واپسی اور فیصلہ کن جواب کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ملکہ نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی۔ نو عمر دوسری طرف سلیمان علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال سے کہا کہ سر دربار! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے؟ تمہیں اس کے کہ وہ لوگ مطلع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں۔ یہ وہی تخت تھا جس کی اطلاع ہمد نے دی تھی۔ چونکہ ان درباریوں میں جنات بھی ہوتے تھے تو ان میں سے ایک مغریت جن نے کہا کہ ”بھئی دیر میں آپ اپنی جگہ سے اٹھیں گے میں اسے حاضر کر دوں گا، میں اس کی طاقت دیکھتا ہوں اور لذت دلاؤں ہوں۔“ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ لاکھ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں۔ قرآن میں اس ہستی کا نام نہیں آیا ہے اور نہ ہی کتاب کے علم کی کوئی توصیف یا وضاحت آئی ہے۔ قرآن کے ایسے مقامات ہمارے مفسرین کے لئے کھلا میدان ہوتے ہیں جس میں وہ اپنے اپنے علم کے جوہر دکھایا کرتے ہیں۔ اس مقام کو بھی انہوں نے نہیں جتنا اور ہزار جتن کر کے اس شخص کا نام ہی پیش کر دیا۔ کسی نے ”آصف بر خیا“ بتایا، کسی نے فرشتہ قرار دیا تو کسی نے خطر علیہ السلام کا نام پیش کیا، اور اس سلسلے میں خود سلیمان علیہ السلام بھی پیش کیا جاتا ہے۔ کتاب کے علم کے متعلق بھی قیاس آرائی سے کام لیا گیا۔ کسی نے اللہ کی کتاب کا باطنی علم بتایا، کسی نے اس کی روحانی تاثیر اور اس کو الفاظ کے خواص کا علم بتایا، کسی نے لوح محفوظ کا نام پیش کیا۔ ہر حال جتنے حد اتنی

باتیں کی گئیں۔ صحیح بات کا علم کسی کو نہیں۔ اللہ نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کے متعلق کچھ آیا ہے۔ لہذا اس کی ضرورت ہی کیا جو اس کے پیچھے پڑ جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھیں نے بھی اس کے متعلق نبی علیہ السلام سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔ لیکن بعد کے مفسرین کا بھی تو کارنامہ ہے کہ بلا ضرورت ہر چیز کے پیچھے پڑے اور اقوال اور اسرائیلی روایات پر مشتمل صحت سے صحت کے مسلمات یہاں کر دیے۔ کیا اس کے لئے اتنا کافی نہیں کہ اللہ نے جس قدر بیان کیا ہے اسے اسی قدر مان لیا جائے کہ یہ اللہ کے نبی کا معجزہ ہے اور معجزات تو اسباب و توجیہات سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اللہ نے اپنے نبی سلیمان علیہ السلام کو اس طرح کے اور بے شمار خارق عادات انبیاءات سے تو آزا تھا۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

کتاب کا علم رکھنے والے نے تخت کو لا سو جو دیکھا۔ جو نبی سلیمان علیہ السلام نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آسمان کے میں شکر کرنا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں۔ اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اس کا شکر اس کے اپنے لئے ہی مفید ہے اور جو کوئی شکر نہ کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔

اللہ کے ایماندار بندوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ ہر نعمت پر اللہ کا شکر جلاتے ہیں، کبر و نخوت کے جذبے کو نہیں اٹھنے دیتے۔ سلیمان علیہ السلام اپنی تمام تر شان و شوکت اور کبر و فر کے باوجود اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ اللہ نے ان کی اس صفت کو بھی اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

إِنَّهُ لَوَابٍ (ص ۶۰)

”وہ (اللہ کی طرف) بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔“

تخت کے متعلق سلیمان علیہ السلام نے یہ پراہت دی کہ تخت کی صورت کو بدل دو تاکہ دیکھا جائے کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ پھر جب ملکہ سبا سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوتی ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تمرا تخت ایسا ہی ہے۔ ملکہ نے جواب دیا کہ یہ تو گویا وہی ہے، ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور فرما کر درجن مکے تھے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کی دعوت اور ملکہ سبا کے پیچھے مکے حیدر کی واپسی ہی نے ملکہ کو اچھی طرح بتا کر لوہا تھا کہ یہ کوئی دیو یا بادشاہوں والا معاملہ نہیں ہے بلکہ سلیمان علیہ

السلام اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے انہیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور وہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ملکہ کو ایمان لانے سے جس چیز نے روک رکھا تھا وہ کافرانہ و مشرکانہ ماحول تھا جس میں اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت کی جا رہی تھی۔ اور وہ بھی ان کو پوچھتی تھی کہ وہ ایک کافر قوم ہی میں سے تھی۔ لیکن جب اس کے سامنے حق کھل کر آگیا تو اس نے بلا تردد قبول کر لیا۔ اس سے ملتی جلتی مثال نبی ﷺ کے دور میں حبش کے ولی نعمانی رحمہ اللہ علیہ کی ہے۔

تخت کے متعلق امتحان کے بعد ملکہ سبا سے محل میں داخل ہونے کو کہا گیا۔ اس نے جو دیکھا تو کبھی کہ پانی کا حوض ہے، اور اترنے کے لئے پانچ اٹھالٹے۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ یہ شیشے کا پتھر فرش ہے۔ ترک و احتشام سے رہنے والی ملکہ جب اس شان کو ملاحظہ کرتی ہے تو پکار اٹھتی ہے کہ اے میرے رب! میں اپنے نفس پر بوجھم کرتی رہی۔ اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرتی ہوں۔ قرآن نے ملکہ سبا کے قصے کو ہمیں تک بیان کیا، اور جس عبرت و نصیحت کے مقصد سے یہ بیان کیا گیا تھا اس کے لئے یہ کافی ہے۔ لیکن مفسرین تو بال کی کمال نکالنے کے عادی ہیں۔ انہوں نے محل کے واقعے کے متعلق بھی دور کی کوڑی لاکھ چٹا کر دی اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے اس کو شش میں انہوں نے صمد انبیاء کا بھی خیال نہیں کیا اور نبی اسرائیل کی طرح انبیاء کے متعلق ہر بیاور بے ہودہ باتیں لکھ ڈالیں۔ چنانچہ اس واقعے کے متعلق کہتے ہیں کہ جنوں نے ملکہ سبا کی پندلیوں کو عیب دار بتایا تھا، اسے دیکھنے کے لئے سلیمان علیہ السلام نے شیشے کا فرش بچھوایا، جس پر پانی کے حوض ہونے کا گمان ہوا تھا، اور ملکہ نے جب اس پر چلنے کے لئے پندلیوں کو کھولا تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی پندلیوں کو دیکھ لیا اور جنوں کی بات غلط ثابت ہوئی۔ تعوذ باللہ من حدۃ الخرافات

اس قصے کے انتقام مفسرین کے اس کارنامے کو بھی بیان کر دیا جائے تو بہر ہو گا کہ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے ایمان لانے کے بعد اس سے نکاح کر لیا۔ نکاح کرنا کوئی بری بات نہیں، مگر ایسا شوہر بھونڈے سے پہلے ذرا تحقیق تو کر لینی چاہئے کہ فی الواقع ایسا ہوا بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کے لئے کوئی مستند دلیل بھی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان

علیہ السلام کو مال و دولت، شان و شوکت اور حکومت و اقتدار ہی عطا کیا تھا۔ بلکہ انہیں علم سے بھی تو آزا تھا اور قوت فیصلہ بھی دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں انہیں صیت سے اس کا ذکر فرمایا ہے:

وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخْتَكِنُ لَهُ الْخَرُثُ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَمَمُ الْقَوْمِ ۖ وَ كُنَّا لِيَخْتَكِمَهُمْ شَاهِدِينَ ﴿٣١﴾ فَهَمَّ بِهَا سُلَيْمَانٌ ۖ وَ كُنَّا أَتَيْنَا حُكْمًا وَ عَلَيْنَا ﴿٣٢﴾ (الأنبياء: ۳۱، ۳۲)

”اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کا حال بھی سن لو انبیا و انہوں ایک ٹھیکے کے مقدس میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں دلت کے وقت دوسرے لوگوں کی بریاں پڑ گئی تھیں اور ان کی عدالت خود کچھ رہے تھے اس وقت ہم نے سچ فیصلہ سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا۔ تاکہ علم اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا۔“

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فوق البشر تعجزات قائم کرتے والوں کیلئے دوسرے عبرت کا مقام ہے کہ اللہ کا ایسا جلیل القدر پیغمبر ہو جس کے تابع فرمان ہو، جنات جس کے قبضے میں ہوں اور اس کے حکم سے سر تابی نہ کر سکتے ہوں، اللہ کی دیگر مخلوقات، پرندے و جانور وغیرہ جس کے زیر اقتدار ہوں اور وہ ان سے حکام ہو تا ہوں، جس کے پاس مال و دولت کی بہتات ہو، علم و حکمت کی دولت بھی حاصل ہو، قوت فیصلہ رکھتا ہو، بھی ہمیشہ دنیا میں زندہ رہا بلکہ انہیں تو یہ تک بھی پتہ نہ چل سکا کہ رب، کہاں اور کس حال میں موت آتی ہے۔ قرآن میں اس بات کو اس طرح واضح فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا فَصَّيْنَا عَلَيْهِ النُّوْتَ مَا لَهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْمَاضِي ۖ فَتَأْكُلُ مِنْسَاتِهِ ۚ فَلَمَّا خُرَّ قَبِيلُهُ أَلَيْسَ أَن لَّوْ كَانَُوا يَنْظُرُونَ الْعَذَابَ مَا لَيْسُوا فِي الْعَذَابِ أَفْهَمِينَ ﴿١٢﴾ (سج: ۱۲)

”پھر جب سلیمان پر ہم نے موت کا فیصلہ دیا تو انہوں کو اس کی موت کا کچھ دیکھنے والا نہ رہا۔ انھیں کے حوالہ تھی اس کے جھٹکا کو کھا رہا تھا۔ اس طرح جب سلیمان علیہ السلام مرنے پر جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کے جائے اسے ہوتے تو اسے موت کے عذاب میں جتنا نہیں رہے۔“

ان آیات میں جہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اس باطل خیال کو بالکل رد کر دیا ہے کہ انبیاء موت سے مستثنیٰ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں، وہ ہیں ان لوگوں کے عقیدے پر بھی پتہ لگاتی ہے جو اللہ کی صفت علم غیب میں جنوں کو

کشف المحجوب

کے آئینے میں

عبدالرؤف

انبیاء عظیم السلام کی دعوت دین میں حاکم سب سے بڑی رکاوٹ وقت کے احباب اور جہان اور سرور ان قوم رہے ہیں۔ انہوں نے ہی لوگوں کو دین حق قبول کرنے سے روکا اور شدت سے اس کی مخالفت کی اور اللہ کے بندوں کو اپنا حلقہ جوش مائے رکھا۔ چنانچہ انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہی رہا ہے کہ اللہ کے بندوں کا تعلق ان کے حقیقی رب والہ واحد سے قائم ہو اور طاغوت اور طاغوتی قوتوں کی مددگی سے ان کا دامن نیکر پاک ہو جائے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل ۶۶)

”ہم نے ہر امت میں جس رسول کو بھیجا اس نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی کہ اللہ کی مددگی کرو اور طاغوت سے کنارہ کشی ہو جاؤ۔“

ایمان میں ایک سوئی اور جھلک ایمان کے لئے اتنی احتیاط اور شدت اختیار کی گئی کہ طاغوت کا کفر اور اس سے اجتناب کو ایمان کی پہلی اور لازمی شرط قرار دیا گیا (سورۃ البقرہ ۲۵۶)۔ ہر حال جب کبھی یہ انتخاب آفریں دعوت اعلیٰ تو قوم کے سروروں اور احباب اور جہان نے اس دعوت حق کی بڑی شدت سے مخالفت کی اور قوم کو اسے قبول کرنے سے روکا۔ ہر چند کہ قوم کی جمالت بھی دعوت کو قبول کرنے میں کسی حد تک مانع رہی ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قوم کی جمالت کا سربراہی انہی پیشوایان قوم کے سر ہے۔ بالفاظ دیگر کسی بھی قوم کی مگر اس کا سبب قوم و ملت کے پیشوا ہی ہوتے ہیں جو اپنے خود ساختہ وہ خواست نظریات کو اپنے ذاتی مقاصد کے تحت قوم پر مسلط کر کے ان کی تباہی و بربادی کا سامان کرتے رہے ہیں۔

اللہ کے آخری نبی ﷺ کی بعثت کے وقت بھی یہی صورتحال درپیش تھی۔ احباب اور جہان اور سروران قوم نے کھل کر دعوت کی مخالفت کی اور لوگوں کو قبول حق سے روکنے کی کوشش کی۔ خیر القرون کے بعد ان کو مزید موقع ملا تو انہوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد کو اسلامی ناموں اور اصطلاحوں سے مزین کر کے پھیلایا گیا۔ نت نئی بدعات و رسومات کو اسلام کا لیبیل لگا کر دین اسلام کا حصہ بنا دیا گیا۔ خالموں نے اسی پر بس نہیں کیا، اسلام کے مقابلے میں ایک نیا دین، ”دین تصوف“ پیش کر دیا اور شریعت کے مقابلے میں طریقت کو لا کھڑا کیا۔ رہبانیت اور تصوف ویسے تو کوئی نئی چیز نہ تھی لیکن اسلام کے ماننے والوں کی نظر میں یہ اجنبی ہی تھا اور قرآن و سنت میں اس کے لئے کوئی مقام نہیں تھا۔ چہ قرآن نے تو اس کا سدباب کر دیا تھا اور لوگوں کو جو شہار کر دیا تھا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ الْاَخْتَارِ
وَالرَّهْبَانِ لَيَكْفُرُونَ أَنُؤَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَيَصْنَعُونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (التوبة ۳۴)

”اے ایمان والو! ان موعظوں اور جہوں کی اکثریت لوگوں کا باطل طریقوں سے کھلتی ہے اور انہیں اللہ کے راستے سے ہمراہ رکھ دیتا ہے۔“

اس دشواری سے غمٹنے کے لئے جمہور کا سارا لے کر سلسلے بائے تصوف کو صحابہ کرام تک پہنچا دیا اور اس طرح دین طریقت کو پروان چڑھایا گیا۔ درحقیقت تصوف کی ایک ایک چیز اسلام کی ضد ہے اور ضد بھی ایسی کہ جس میں زمین و آسمان کی دوری اور مشرق و مغرب کا بعد پایا جاتا ہے۔ دین اسلام کا جیاد ہی لکھتے توحید باری تعالیٰ ہے جس کا مقصد اللہ

کے بندے کو صرف اور صرف اللہ کا بندہ بنانا ہے، جب کہ تصوف کا جیاد ہی مقصد اللہ کے بندے کو بندگی کے منصب سے اٹھا کر ”خدا کی مسند“ پر بٹھانا ہے۔ اسلام کے معتقدات اور تصوف کے نظریات کے مابین پائی جانے والی اس حریت انگیز دوری کو حاملین تصوف نے تصوف کی بھول بھلیوں کو خوشنما اسلامی ناموں اور اصطلاحوں سے آراستہ کر کے ختم کر دیا اور اس طرح طمع سازی کر کے دین طریقت کو تمام طباق میں پھیلا دیا۔ صغیر میں تو اس کا زیادہ ہی غلط رہا ہے۔ ہندو کا ”یوگ“ ویدانت ”اور یہود و ہندو کا ”فلسفہ وحدت الوجود“ اس صم میں مدد و معاون رہا ہے۔ یہ بات زبان زد عام ہے کہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت ان بستیوں ہی کی مرہون منت ہے یعنی انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ برصغیر میں اسلام پھیلا۔ اب یہ اور بات ہے کہ برصغیر میں پائے جانے والے اسلام کے عقائد و اعمال قرآن وحدیث میں نہیں ملے صوفیاء کی تصانیف و تاریخات اور ملفوظات اس پر گواہ ہیں کہ دین طریقت اسلام کے برعکس اور بالکل ہی الگ اور جدا گانہ دین ہے۔ قرآن وسنت سے ان کا تعلق کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔

یوں تو برصغیر میں بے شمار صوفیاء گذرے جن کے کشف و کرامات اور حریت انگیز کارناموں سے ان کے اور ان کے عقیدہ مندوں کے کتب و ملفوظات بھرے پڑے ہیں اور جن کے لئے لوگوں کے دلوں میں احترام و عقیدت کے جذبات پائے جاتے ہیں، لیکن انہی میں ایک مشہور و معروف صوفی علی ہجویری المعروف بہ ”داتا گنج بخش“ ہیں۔ برصغیر کا چہ چہ ان سے واقف ہے اور ان کا نام بڑے ہی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ صوفیوں میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور بہت

پہنچے ہوئے مانے جاتے ہیں۔ لاہور میں ان کا ایسا عایشان
مزار ہے جو "داتا گیارہ" کہلاتا ہے۔ لاہور گرد و کی پوری مسیحی
"واجب گہری" کہلاتی ہے۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے دلی وابستگی رکھتا
ہے۔ ان کے عرس کے دن لاہور شہر کا کوئی گوالا دودھ
فروخت نہیں کرتا، بھلا ان کے نام پر مفت تقسیم کرتا ہے۔
مزار یا "دہاد" پر ہر وقت لشکر جاری رہتا ہے، ہر وقت
چڑھاؤں اور نذرانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، خلائق کا
اڑواہام ہوتا ہے، ان کی قبر پر "مذکورہ تعلیمات" کا کتبہ لگا ہوا
ہے، قبر کی ہالی کو چھما جاتا ہے اور قبر کی طرف رخ کر کے
نمازیں پڑھی جاتی ہیں، ان کی زبانیاں دی جاتی ہیں، عین
ماگی جاتی ہیں، ہمارے چڑھائی جاتی ہیں، قوالیاں گائی جاتی
ہیں، ان کی قبر کے بے شمار چھوڑ ہیں جو کل واقعی مہارت
کرتے ہیں۔ ان کی قبر پر یہ سب کچھ جو ہوتا ہے آخر
کیوں نہ ہو کہ ان کی تعلیمات ہی یہ تھیں۔ ان کی قبر کے پاس
ہی چالیوں سے حزن اور آرمستہ جگہ بھی ہے جہاں مصیبت
ہی کی ایک اور مشہور و معروف صوفی شخصیت مسیحی الدین
پیشی امیری المعروف "خواجہ غریب نواز" نے ان علی
گھوڑی صاحب کی قبر سے فیض کے حصول کے لئے چل
کشی کی تھی جسکے بعد انہوں نے وہ شعر کہا تھا جو آج بھی یہاں
کہا ہے:

حج حق یعنی عالم مقرر نور خدا

ناقصاں را بحر کمال، کاٹاں را رہنا

(حج حق یعنی خزانے والے علی گھوڑی کی ذات مبارک عالم
کو فیض پہنچانے والے ہے، اللہ کے نور کی ایک عقل ہے، بے
لوگوں کے لئے تو ایک کاس ہے اور کمال لوگوں کے لئے
رہبری کرنے والی ہے)

جب اپنے بڑے بزرگ "حصول فیض" کے لئے قبر پر
چل کشی کریں تو حوالے عوام جو کچھ وہاں کرتے ہیں وہ
کریں تو کیا کریں؟

اولیٰ میں علی گھوڑی صاحب کی مشہور و معروف
تصنیف "تشفیح الحب" (یعنی اس جگہ کا کوئی اور ہوسے میں تھی)
کے چند اقتباسات پیش کر کے قرآن و سنت کی روشنی میں
اس کا جائزہ لیا جا رہا ہے تاکہ قرآن و سنت کے قیمن کے
سامنے ان رد و ردوں کی رو ذی طاعت ارباب ہو جائے اور
بر صلیب میں نام لیا اسلام پھیلانے والوں کے اصل قدم مال
نہلیاں ہو جائیں:

علی گھوڑی صاحب فرماتے ہیں:

اور خود مجھے (علی بن محمد بن علی) بھی ایک مرتبہ ایک
واقعہ پیش آیا تھا جس سے اس امید پر اس کے لئے کئی حد و حد
کی کہ وہ مل ہو جائے لیکن وہ مل نہ ہوا اور اس سے پہلے بھی مجھے
اسی طرح کا ایک مشکل مسئلہ پیش آیا تھا جس کے لئے میں شیخ
باجہ رحمہ اللہ علیہ کی قبر پر جا کر چھوڑا ہوا وہ مل ہوا تھا۔
لاکھ ٹکڑے، حرم حدیث، قدرتی، بشری، انسانی کتب خانہ، فعلی، اعلیٰ
دار کتب، دارالعلوم، دارالافتاء (صفحہ ۹)

علی گھوڑی صاحب کی اس مہارت سے یہ بات ثابت
ہو گئی کہ آج کچھ قبروں اور حزاؤں پر ہو رہا ہے، وہ ان ہی
کی تعلیم اور ان ہی کی سنت ہے۔ علی گھوڑی صاحب جب
صاحب قبر سے اپنی مشکل حل کر آئیں تو پھر عوام کیوں نہ
قبروں کی زبانیاں دیں، لولادیں مانگیں، مشکل اور
تجدد حق میں انہیں پکڑیں، روزی میں کشادگی چاہیں، ان ہی
کے سامنے اپنی حاجات رکھیں، ان ہی کے آگے اپنا دکھڑا
میان کریں۔ علی گھوڑی صاحب جب قبر پر چھوڑت کریں تو
پھر عوام کیوں نہ قبر پر پڑت کریں، عایشان حزاؤں تعمیر
کر کے اس کی مہارت کریں، اور وہاں پر جمیں سائی کریں۔
جب انہاں کے ایستیاں قدوری دین کو پڑھائی تھیں تو عوام
کیوں نہ اسے اختیار کریں۔ علی گھوڑی صاحب کے اس دین
کے برعکس قرآن و سنت پر مبنی اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں:

وَقَالِ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن ۶۰)

"تمہارے رب سے تم سے کہو کہ وہ تم سے کہے ہی پکارا، میں
تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

لَا دَعْوَةَ الْحَقِّ (الزمر ۲۴)

"صرف اس کو پکارنا حق ہے۔"

اَمَّا يُجِيبُ الْمُضْطَرُّ اِذَا دُعِيَ وَيُكْتَفَى السُّوْءُ (النحل ۶۶)

"کہا کون ہے جو بے قراری کا قول کرتا ہے جب وہ اس سے
دعا کرتا ہے، (اس کی تکلیف) گوارا کرتا ہے؟"

اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِيْنِ

ہاتھ۔ (ترمذی، ابواب صلاۃ اللہ)

"جب بھی تم سوال کرو تو اللہ سے کرو اور جب بھی مدد چاہو تو
اللہ سے چاہو۔"

یَسْتَأْذِنُ اَحَدُكُمْ رُبَّ حَاجَةٍ كُفْلًا حَتّٰی يَسْتَأْذِنَ

سُبْحَ نَعْلِهِ (اِذَا اِنْفَلَحَ) حَتّٰی يَسْتَأْذِنَ الْمَلِيْحَ

(ترمذی، ابواب الدعوات)

"تم میں سے ہر ایک کو پکارنے کی ایسی مادی مانگیں اللہ ہی سے
مانگنے میں تک کہ جوئے کا تہہ بھی جب وہ فوت نہ جائے۔"

یہاں تک کہ لک (کی) بھی (شرارت ہو تو) کسی سے مانگے۔"

یہ تو تقسیم ہے اللہ اور اس کے رسول کی جگہ علی گھوڑی
صاحب کی تعلیم و عمل یہ ہے کہ جب مشکل معاملہ درپیش
ہو اتھارنے کی قبر پر چھوڑ ہوئے تو علی گھوڑی صاحب نے یہ
نہی رسول اللہ ﷺ اَنْ يُخَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ
يُنْتَبِیْ عَلَيْهِ وَاَنْ يُقَدَّ عَلَيْهِ (مسلم)
"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے قبروں کو پختہ مانے، ان پر
فدا دینے اور ان پر مہارت کرنے سے۔"

ح مالک بن دینار کے ہاں سے میں لکھتے ہیں:

ہر اس مقام تک پہنچے کہ ایک دوسرے کشتی میں سوار تھے کہ
ایک دوسرے سوار کا ایک کشتی تھی نہ تو ایک ایک چوکر
سب کے لئے انہی تھے اس لئے انہوں نے سوچی چرائے کی
تصویر آپ پر رکھی۔ آپ نے انہیں مبارک آہن کی طرف
اٹھایا تو فوراً ان کی تمام جھلیوں نے اپنے سر رکھنا شروع کر دیں
اور ہر جگہ سے اپنے میں ایک کشتی چلنے لگے اور کہا کہ آپ نے
ان میں سے ایک سوچی لے کر اس میں گویا وہاں اور خود
پانی پر قدم نہ رکھو، دیکھو کہ پانی پر چلنے سے ساحل پر نکلتے۔
(حدیث، اب، صفحہ ۱۲۷)

یہ واقعہ کائنات میں صوفیاء کے تصرف کی کوئی مثال
ہے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے:

وَيَقُولُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ (ابراہیم ۲۴)

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (الصبح ۱۸)

"اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

قرآن کے مقابلے میں یہ خدائی کے دعوے رابل تصوف بھی
تو چاہیں کر سکتے ہیں، سر کی معمولی جنبش سے دنیا کی ساری
پھلیاں سب آپ پر جیتی پھر لیکر نمودار ہو سکیں اور ان کی
قدست میں پیش کر دے، دنیا کے پانی پر مانند زمین چلتے
ہوئے ساحل پر پہنچنا بھی ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، یہ
تو وہ لوگ ہیں جو آسمانوں پر اڑتے ہیں، پانی پر چلنا ان کے لئے
کیا مشکل! گویا اللہ کے ہاتھ ہوئے قوانین کائنات ان کی
خواہشات اور ضروریات کے پابند ہیں۔ اب یہ لوہات ہے کہ
"تصرف فی الامور" کی یہ مہمت انہی ہستیوں تک محدود
ہے ورنہ اللہ کے برگزیدہ انبیاء بھی اللہ کے ہاتھ ہوئے
آفاقی قوانین کے پابند تھے۔ معجزات کی بات اور ہے، لاہور ان کا
نمودار بھی انبیاء کے ہاتھ پر اللہ کے لڑنے سے ہوتا تھا (انبیاء)
خود معجزات پر قادر تھے، لاہور یہ اللہ کی قدرت کی نشانی اور
نبوت کی سبب دلیل ہوتے تھے۔ فیر جی کے ساتھ اس قسم
کا معاملہ ناقابل فہم ہے۔ مجبور کا نام "گراست" نہ کہ گرجا اس
سلسلے کو جاری رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ درحقیقت ختم

نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ بہر حال انبیاء بھی مٹے چنے چن کر
مجازت کے علاوہ قوانین قدرت ہی کے پابند تھے۔ اللہ کے
نبی یا ناس علیہ السلام کو جب دریا میں ڈال دیا گیا تو انہیں چھلی
نے نکل لیا اور قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے چھلی کے پیٹ
سے اللہ کو نکلا:

فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاسْمِعُوا
لِيَ الْغَاسِقِينَ (الاحقاف: ۲۵)

”میں پکارا اندھیرے میں سے کہ تجھے سنا کوئی نہ ہو۔ تو
پاک ہے، میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔“

اللہ نے انہیں ہلاک سے نجات دی۔ اور مالک فرماتا ہے:

قُلُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنَ الْمُسْتَجِيبِينَ ۝ لِلَّيْلِ فِي
بَطْنِهَا إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الصافات: ۱۳۳، ۱۳۴)

”پکارو اگر (اللہ کی) تجاوت کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ
زندہ کئے جائیں گے اسی (چھلی کے) پیٹ میں رہے۔“

ایک طرف اللہ کے نبی کا یہ معاملہ ہے کہ دریا میں ڈال
دینے پر ڈوب جاتے ہیں اور چھلی انہیں نکل لیتی ہے اور
دوسری طرف یہ ”مقدس ہستیوں“ ہیں جو مانند زمین سطح
آب پر چلتے ہوئے پچ دریا سے ساحل پر پہنچ جاتے ہیں! کیا
نقائص ہے ان دو گروہوں میں اور دونوں کی قوت و تصرف
میں! ایک کا کائنات میں جاری حوالہ اور قوانین پر تصرف
ہے اور دوسرا ان قوانین و حوالہ کے آگے مجبور ٹھہرتا ہے!!

س۔ مصلح میں سے ایک دارگ بیان کرتے ہیں کہ میں
ایک مرتبہ حضرت امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت
آپ سو رہے تھے، میں تھوڑی دیر بعد کہ آپ بیدار ہوئے اور
مجھ سے فرمایا کہ ”میں نے خیر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے
کہ آپ ﷺ نے مجھے تہذیب کے لئے پکا ہار دینے ہوئے فرمایا کہ
میں کے حقوق کی حفاظت کرنا اور ان کے لئے سے بھر دے، اس لئے
لوٹ جاؤ، میں کی دہائی کر۔“ میں نے اس سے دعا کی کہ آپ دوبارہ
مکرر کی طرف نہ گیا۔ (تذکرۃ الخلفاء، صفحہ ۱۳۰)

عرصہ دراز سے نبی ﷺ کو خوابوں میں دیکھنے کا جو طویل
سلسلہ چلا ہوا ہے، اسکو پچھلے مہینے میں ان ہی ”مصلح عظام“
کا ہاتھ ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ ان کے خوابوں میں آتے ہیں
اور ہدایات فرماتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ
کو بعد از وفات عالم الغیب بھی بتایا اور غلو نبی حوالہ پر تصرف
کا حامل بھی۔ جہاں تک اللہ کے نبی کو خواب میں دیکھنے کی
بات ہے تو صحیح کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
”میں نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا اور
شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اور جس نے
مجھے خواب میں دیکھا وہ عقیقہ مجھ پر لڑی میں بھی دیکھے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو خواب میں
دیکھنے والا نبی ﷺ ہی کو خواب میں دیکھتا ہے۔ بھلا کیا کوئی
فصل جس نے نبی ﷺ کو کبھی بد لڑی میں نہ دیکھا ہو وہ کہہ
سکتا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے؟ کیسی اعتقادات
ہے کہ کسی کو کبھی بد لڑی میں نہ دیکھا ہو اور اسے خواب میں
دیکھ کر یقین کے ساتھ کہے کہ میں نے اسے ہی دیکھا ہے!
دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جس نے
مجھے خواب میں دیکھا وہ عقیقہ مجھے بد لڑی میں بھی دیکھے
گا۔ اس سے تو صاف پتہ چل رہا ہے کہ اس سے مراد صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہیں۔ یہ صوفیاء، ”مصلح
عظام“ تو ”مصلح کرام“ اپنی شہنشاہانے، اپنی توقیر میں
اشفاق کے لئے اس قسم کے مزاح و دعوے کیا کرتے ہیں۔
دوسری بات اس درج بالا واقعہ میں یہ بیان ہوئی ہے کہ نبی
ﷺ امت کے اعمال و افعال سے باخبر ہیں۔ قرآن و حدیث
کی رو سے یہ بھی قطعاً ممکن بلکہ یہ عقیدہ کفر و شرک ہے۔

سورۃ النور میں ہے:

يَوْمَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ
قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ
(النور: ۱۰۹)

”(اللہ اور مجھے کے ہاتھ ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے
گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا، انہوں نے عرض کریں
گے کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم، غیب کا جاننے والا تو تو ہی ہے۔“

اسی طرح سورۃ الاحقاف آیت ۵ میں بتایا کہ یہ مگر لوگوں
جن ہستیوں (انبیاء و اولیاء) کو پکار رہے ہیں، وہ تو ان کی
دعائوں سے بے خبر ہیں۔

صحیح کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

يَجَاءُ بَرَجًا مِنْ أَمْرِ يَوْمَ عَذَابِهِمْ فَاتَتْ الشَّعَالَ
فَلَقُولَ يَا رَبِّ أَمْرِي لِيَقَالَ إِنَّكَ لَا تَهْتَدِي مَا أَحْدَثُوا
بِعَدْلِكَ ۖ أَعْقَابِهِمْ مِنْهُ فَارْقَبِهِمْ

”قیامت کے دن میری امت کے پچھلوں کو لایا جائے گا اور
پھر وہ بائیں طرف (جنم کی طرف) لائے جائے جائیں گے تو میں
کون گا میرے رب یہ قیامت کب آتی ہے۔ اس وقت مجھ سے
کہا جائے گا کہ جس قسم معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا
بد جنس نکال لی تھیں۔ پھر لائیں وہی کون گا (وہی نہ ہو گا)۔
قول قرآن میں ہے کہ ”میں جب تک اگلے درمیان موجود تھا
ان کے احوال کی گہرائی نہ تھیں اور جب تو نے مجھے اٹھایا تو صرف تو
ہی ان پر نگرانی قائم کر دیا۔“ پھر مجھے بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں
جو تمہارے دین سے جاتے ہیں تو میں انہیں چھٹ گئے۔“

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے آخری نبی
ﷺ بھی وفات کے بعد اپنی امت کے حالات سے قطعاً
بہرہ مند ہیں۔ دراصل دین طریقت کا تو حراں ہی یہ ہے کہ جو
کچھ قرآن و سنت میں حرام ہے وہ اس مذہب تصوف میں حلال
ہے اور جو قرآن و حدیث میں حلال ہے اس کے یہاں حرام ہے!

س۔ یہ بات بدلی مشہور ہے کہ حضرت سری مصلیٰ کی
زندگی میں مریدان نے حضرت جینے سے درخواست کی کہ ”اے
مصلح! آپ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے تاکہ ہمارے دلوں کو راست
نصیب ہو۔“ آپ نے ان کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا کہ
جب تک میرے شیخ جید حیات ہیں میں کوئی نصیحت نہیں
کر سکتا۔ یہاں تک کہ رات کو سو رہے تھے کہ خواب میں شیخ
ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ”اے میرے
لوگوں کو نصیحت کی باتیں کرنا کہ وہ حق تعالیٰ سے تہذیب کا کام کو
ایک جہاں کی نجات کا سبب بنیں۔“ آپ نے یہ کہہ کر اپنے
دل میں خیال پیدا کیا کہ شاید میرے دور پر حضرت سری مصلیٰ رحمہ
اللہ سے دعا کی جائے۔ اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعوت
کئے کا حکم دیا ہے۔“ صبح ہوئی تو حضرت سری مصلیٰ نے اپنے
ایک مرید کو بھیجا کہ جب جینے نماز سے فارغ ہو تو اسے کہنا کہ تم
نے مریدان کی درخواست پر تو انہیں دعوت نہیں کیا، پھر مصلح
بعد ازیں سفارش کو بھی ذکر و یاد اور میرے پیغام بھیجے کہ میں تم سے
دعا و نصیحت کا سلسلہ جاری نہیں کیا۔ لیکن اب جب کہ شیخ
ﷺ نے مجھے حکم فرمایا ہے تو آپ کے فرمان پر ضرور عمل کرے۔
حضرت جینے کہنے لگے کہ یہ سن کر وہ خیال میرے دل سے نکل
گیا اور میں نے جان لیا کہ حضرت سری مصلیٰ میرے ظہری اور
باطنی تمام احوال سے واقف ہیں اور آپ کا درجہ بہر حال میرے
درجے سے بہت بلند ہے کہ وہ تو میرے سر اسے مطلع ہیں اور
میں ان کے حالات سے بے خبر ہوں، چنانچہ میں ان کی خدمت
میں حاضر ہوا اور اپنے خیال پر معافی مانگی اور پھر آپ سے پوچھا کہ
آپ کو یہ حکم کس طرح ہوا کہ میں نے خواب میں شیخ علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی زیارت کی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں
اللہ عزوجل کو دیکھا کہ وہ مجھے فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے
رسول ﷺ کو بھیجا ہے تاکہ وہ جینے سے فرمائیں کہ وہ حقوق کو
دعوت کیا کرے تاکہ اس سے طلبہ کو کی سرگرمی حاصل ہو۔

(تذکرۃ الخلفاء، صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)

اس واقعہ میں چار باتیں میان کی گئی ہیں: ۱۔ جینے بعد لوی۔
۲۔ کابو جو و امیرانہ کے نصیحت کرنے سے انکار: ۳۔ شیخ بری
خواب میں زیارت کا ہونا اور وعظ کا حکم دینا: ۴۔ سری
مصلیٰ صاحب کا خواب میں اللہ کی زیارت کرنا: ۵۔ سری
مصلیٰ کا مرید کے ظاہری و باطنی تمام احوال سے واقف ہونا،
یہاں تک کہ اس کے خواب تک سے واقف ہو جائے نصیحت
سے انکار و انبیات بھی کیا خوب ہے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلم پر

یہ قدر و ثمری مانگ کر ہے کہ وہ عورت نصیحت کا کام کرے۔
اس آخری امت کو جسے قرآن میں "امت وسطا" کے نام سے
پکارا گیا ہے۔ (۱۲۳۵) کو دوسری جگہ "بہترین امت" قرار
دیا گیا ہے۔ "تم لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی دعوت
دیتے ہو اور سورات سے روکتے ہو۔" (آل عمران ۱۱۰)
در اصل امت تصوف اور اس کے پیروکار اسلام اور اسلامی
احکام سے عار و نام ہیں۔ "نبی ﷺ کا خواب میں آہور حکم دیا"
اس پر تیسرے گزشتہ طور میں گزر چکا ہے۔ سہری مقلی صاحب
کا جیسے بعد اسی صاحب کے خارجی و باطنی اقوال اور خواب
نکات سے واقف نہ ہوں، یہ بلائے کمال کی بات ہے۔ ہمارے تصوف
کی مثال ملے کرنے والے ہی اس طرح علم غیب اور تصرف فی
الامور کے دعوے کرتے ہیں وہ نہ قرآن و سنت کو دیکھ
جائے وہاں تو انکی تصاویر کو کھانسی نہیں۔ قرآن کہتا ہے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ
إِلَّا اللَّهُ (النمل ۱۷)
"کہہ دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی زمین و آسمان میں غیب کی باتیں
نہیں جانتا۔"
اللہ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ
نَفْسُهُ (ق ۱۶)
"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو باتیں اس
سنتی میں آتی ہیں۔"

قرآن وحدیث کی روش سے صرف اور صرف اللہ ہی کی
ذات ہے جو غیب اور تمام انسانوں کے خائبہ و باطن کی جاننے
والی ہے۔ جو لوگ غیب جانتے اور ظاہر و باطن کے جاننے کا
دعویٰ کرتے ہیں وہ حقیقت وہ خدا کی دعا و عجز اور ہیں۔ کیا
بھیانہ کفر و شرک و الہیہ ہے جس کے یہ لوگ مرتد ہیں
اور پھر بھی امت کے بہترین افراد میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔
اور یہ ولی اللہ کے منصب پر فائز ہیں!

۳. بایں عقل و انشیاں پایہ گزرت

تیسری بات اس واقعہ میں سہری مقلی کا خواب میں اللہ
تعالیٰ کی زیارت کرنا ہے۔ قرآن وحدیث کے مطابق تو اس
دنیا میں خواب یا یہ لڑی میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں۔ اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا تَدْرِيكَ الْبَاصُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَاصُ (احزاب ۴۰)
"آپ نہیں اس کو جس کا دیکھنا اس کا اور اس کو جس کا دیکھنا
اس کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو پا لیتا ہے کیونکہ

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (البص ۱۵۳) وہ بے حد پختہ اور خبر
ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ
تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
لَنْ تَرَانِي (الاحزاب ۴۳) "تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔" اور
جب اللہ تعالیٰ نے ان کے اصرار پر چلی فرمائی تو موسیٰ علیہ
السلام بدبویش ہو گئے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ عاتکہ رضی
اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کو دیکھا
ہے تو عاتکہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس بات سے تو
میرے رو تھکے گزرتے ہو گئے۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس نے
کئی اس نے جھوٹ کہا۔ جو یہ کہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے
اللہ کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ کہا اور حدیث میں یہ بھی
آتا ہے کہ آج دنیا میں تو اللہ کو نہیں دیکھ سکتے وہاں قیامت
کے بعد مل جنت صحیح و شام اللہ کا دیدار کریں گے اور انہیں
دیکھنے میں کوئی حرج و محنت۔ پھر بیٹ یا مشکل کا سامنا نہیں کرتا
چڑے کا جیسے جھلنے چڑھنے کی پانہ کو دیکھتے ہیں اس طرح
سے دیکھیں گے اور اللہ کا دیدار دینا بھلا سے بھر اور یاد
کر ہو گا۔ قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں اللہ
کو دیکھنا ممکن ہے۔ نبی ﷺ نے بھی جس دیکھا اور موسیٰ
علیہ السلام تو بے ہوش ہو گئے۔ سہری مقلی صاحب اور ان
کے مریدوں کا کیا چہنما اے تو اس کمال کو پہنچے جو انبیاء کی پہنچ
سے بھی بہت دور تھا۔ مرید اللہ کے رسول کو خواب میں دیکھنا
ہے تو یہ اللہ کو دیکھ لیتا ہے! قرآن و سنت کے بیان میں اور
اہل تصوف کے دعویٰ بابت اللہ تعالیٰ میں کیا بعد المعرفین ہے!

۴. حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک
کتاب سے چند آیتیں پڑھیں اور فرمایا کہ ان میں دو آیتیں جہنم میں
وال ہیں۔ یہ وہ آیتیں تھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر
سے ان کو فرمایا کہ وہ ان آیتوں کو اپنے پیغمبر سے کہہ دیا کہ میں
ان کو آؤں۔ حضرت نے سوال کیا کہ پھر تم نے کیا فرمایا؟ میں
نے عرض کی کہ میں نے ان آیتوں کو آپ نے فرمایا کہ تم نے وہ
آیتاں دہرائیں نہیں والے پھاڑا نہیں دہرائیں والی کہ کہہ
میں والیں آؤ اور میرا دل دوسروں میں جتاؤ۔ پھر بھی جب میں
نے انہیں دہرائیں پھینک دی اور باقی دوسروں میں نہ کیا اور
اس میں سے ایک صندوق نکلا اور اس کا حلقہ تلاوت کیا وہ
آیتاں صندوق میں چاڑھے تو اس کا منہ نہ ہو گیا اور پھر پانی بھی
ان میں میں میں میں سے والیں آکر یہ ساری عجیب بات کی تو
حضرت نے فرمایا کہ اب آپ تم نے اچھی آیتاں دہرائیں وال
اسے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ آج میں ان معاملہ سے مدد مجھے
ضرور ملے گی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ سب اصولی
طریقہ اور اس کے سر اور موزی تحریر میں تصوف کی حقی

تحریروں کے لئے ان کا حکمہ شائع کیا ہے یہ کتاب مجھ سے
میرے لئے حضرت حضرت علیؓ کے لئے ہے اللہ نے بھلائی اور اللہ تعالیٰ
نے اس دنیا کو عطا کیا کہ اس کتاب ان تک پہنچے۔۔۔
(مکتبہ طاب، ص ۲۱۷)

اس واقعہ میں بھی اہل تصوف کے تفسیر اور کائنات
کے عجوبہ حوال میں ان کی کار پر وازی ظاہر ہو رہی ہے۔
موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا مصادیق میں مارو تو انہوں
نے جب اپنے عطا کو دیا میں مارا تو وہ پھٹ گیا تھا۔ طریقہ
اور اس کے سر اور موز بھی عجیب ایسی ہی چیز ہیں جن کو دیا
میں والے سے دریافت حصول میں تقسیم ہو گیا۔ موسیٰ علیہ
السلام کے لئے دیا میں راستہ تھا اور صوفیاء کے لئے اس
میں سے صندوق نہ آدہ ہوا۔ صندوق کیا تھا کوئی آدہ و جہی ہو
دیا کی ۔۔۔ سے سب آپ پر آئی، دروازہ کھلا اس میں کتاب
داخل ہوئی اور وہ پھر دریا کی ۔۔۔ میں پہنچ کر حضرت علیہ السلام کی
طرف کو سفر ہو گئی! صوفی صاحب کا مفسر علیہ السلام سے
رابطہ بھی خوب ہے! مفسر علیہ السلام کا تصوف کے رموز پر
کتاب کی خواہش کرتا تو اس پر مستزاد ہے! اصل میں ۔۔۔
سب اس دہلی طریقہ کی کار فرمائی ہے۔ یہ تو پانی میں آگ
لگا دے، پانی کا وہ حصول میں پھنسا اور اس سے صندوق نہ آدہ
ہو یا تو معمولی بات ہے!

۶۔ محمد بن اسماعیل خیر السراج کے بارے میں لکھا ہے
کہنے ہیں کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے
وقت پر ہاتھ بڑھ کر کیڑا جی سے درالافق ہوا تو انہیں محول کر
لگے الموت کی طرف بڑھا اور فرمایا: تَعَالَى عَذَابُكَ اللَّهُ عَالِمًا
الْمُتَّعِدُ عَذَابُكَ وَمَا عَذَابُكَ وَمَا عَذَابُكَ وَمَا عَذَابُكَ
بِالْمُتَّعِدِ وَمَا عَذَابُكَ بِهَذَا شَيْءٍ يَهْدِيهِمْ فَدَعْنِي
الْمُتَّعِدُ عَذَابُكَ بِهَذَا شَيْءٍ يَهْدِيهِمْ فَدَعْنِي
موقوف کر دے اور پھر جاتا تھا اللہ تعالیٰ کا ایک ہندو ہے جو ایک
کام پر مامور ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کا وہاں ہے ایک کام پر
مامور ہوا۔ ہر کام میں کام کا نہیں سمجھا گیا ہے وہ تم سے فوت
نہیں ہو رہی البتہ مجھے جس کام کا علم ہے اس کتاب اور مجھ سے فوت
ہو رہا ہے کہ ہر آپ نے اپنی عقائد کو ضو کیا اور شام کی لڑائی
اور پھر جان اے وہی۔ (مکتبہ طاب، ص ۲۱۷)

قرآن کہتا ہے کہ جب موت آتی ہے تو اور بھی تاخیر
نہیں ہوتی۔ اللہ نے موت کا وقت مقرر کر دیا لیکن یہ ہستیوں
ملک الموت سے مذاکرہ کر کے کچھ تاخیر کر لیتی ہیں!
غور فرمائیے، اس واقعہ میں تو ملک الموت سے محض
مذاکرہ کے ذریعہ اپنی موت میں کچھ تاخیر کر لیتی تھی ہے
اور اپنی مرضی سے جان دے رہی ہے، یہ تو نصیحت ہے کہ انسان

نے قبول فرمایا اور کہے کہ جان دیدی، اگر یہ جان دینے پر تیار
ہی نہ ہوتے تو ملک الموت بے جا رو کیا کرتا، ہے نامہ پختہ کی
بات: یہ تو ایسی "صاحب اختیار و جبروت" ہستیوں ہیں کہ
ملک الموت سے ارواح کا حیلانک چھین سکتی ہیں! العیاذ باللہ
قرآن میں سلیمان علیہ السلام کی موت کا تذکرہ بھی موجود
ہے کہ کس طرح وہ جنات سے کام لے رہے تھے اور اپنے
حصص کے سداے خزانے ہوتے تھے کہ ان کی موت کا وقت
آپسچا ہوا ان کو اجنبی بھی معلوم نہ ملی کہ وہ اپنا کام مکمل
کر دیا لیتے یا اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی خواب گاہ تک ہی پہنچ
جاتے جہاں اسی حالت میں ان کی روح قبض کرنی لگی اور جنات
نہیں دیکھ کر یہی سمجھتے رہے کہ وہ سداے کام کی عمرانی
کرد رہے ہیں لیکن جب ان کے حصص کو دیکھنے لگے کھلے اور
وہ کھڑے ہو کر فوجا ہے جب سلیمان علیہ السلام گھر سے ہیں اور
جنات پر یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو تو
موت آنی چلی ہے۔ دیکھئے سلیمان علیہ السلام تو کونجی بھر کے
لئے بھی اپنی موت کے وقت کو نہ بال سکے، اور وہ کیسے بال
سکتے تھے جبکہ اللہ کا قانون ہی یہ ہے کہ:

إِنْ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ، لَا يُؤَخَّرُ، لَوْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ (اح-۱۲)

آجب لہ کا سفر ہا وہ وقت آجاتا ہے تو بال نہیں ہوتا، کاش
تو جانتے ہوتے۔

اب ان ہی طریقہ کی توثیق ہی اور سے دینے کا قانون تو
قرآن کے گھر کی کوئی ہی ہے! معذرت اللہ!

۱۔ اور حکایت میں میں نے پڑھے کہ حضرت ابراہیم
مصر کی غزلیہ میں سے ایک شخص کو ہوا میں سدا دیا جو تو
اس سے پوچھا کہ تم نے کس عمل کی بدولت یہ اجر حاصل کیا
میں نے جواب دیا کہ میں نے بڑا نیک عمل کیا ہے، میں نے اپنے
خالے سے یہاں تک کہ وہ اس پر ویش کر کے کھائے۔

(تفسیر توبہ، ج ۱، ص ۱۰۱)

گزشتہ سطور میں ایک صوفی صاحب کا سلیک تب پر مامور
میں چھپے ہوا فقرہ ذکر ہے، وہاں پر یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ
لوگ ہوا میں اڑتے ہیں، پانی پر چلنے کے لئے کون سی دینی
امت ہے۔ اب اس فقرہ میں ہوا میں اڑنے کا فقرہ بھی نہ کر
ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ معراج وانی رست برحق پر سوار
وکر آسمانوں میں گئے تھے، انھیں معراج سر سفر معراج
نہیں تھی آپ ﷺ برحق پر سوار ہو کر گئے تھے اور کھار

کے مطالبے کے باوجود آسمانوں پر چڑھ کر ہوا میں اڑ
کر نہ گھسکے، حالانکہ وہ خواہش رکھتے کہ سب سے زیادہ ہوا
سب سے زیادہ گزر کر گئے والے تھے۔ صحابہ کرام رضوان
اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جنہیں "رضی اللہ عنہم" کا درجہ
ہر لحاظ سے ماعز و موشا ہے خیر القرون میں مرقوم ہے ہیں اور
امت کے سب سے بڑے ولی ہیں، وہ بھی نہ تو پانی پر چل
پائے اور نہ ہوا میں اڑ سکے۔ انہیں دیکھا ہو کہ گئے کے لئے
پانی میں اترنا پڑا، اور یہ صوفی لوگ ہیں جو خواہش رکھتے کہ گزر
کر کے اس کمال کو پہنچ جاتے ہیں کہ ہوا میں اڑنے لگتے
ہیں۔ کیا شان ہے ان کو کیا وائی؟

خیر کسی مشین یا آلے کے ہوا میں اڑنے کے واسطے
کرنے والے دراصل خدایں کی دنیا کے ہاں ہیں یا تو ہم پر حق
کا شکار۔ آج جدید علوم کا دور دورہ ہے۔ انسان ہوا کو سمجھ
کر کے ہوائی جہاز اور دیگر ہوائی کے ذریعہ ہوا میں اڑتا
ہے۔ ہوا میں ہوا سمجھ کر کے ہوائی جہاز اڑانے والے جانتے
ہیں کہ خواہش رکھ کر گزر کر گئے ہوا میں اڑنے کی بات
حققت سے سدا ہوتی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات
وہ فوق اسباب ہوتے ہیں، لیکن ان پر انبیاء کو اختیار نہیں
ہو کہ وہ ان کی مرضی و مشیت کے تحت ہی کام کرتے تھے۔

۲۔ وہ ان ہی مصلحتی کے واسطے میں موت

دارائن۔ کہ آپ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
موت کے وقت میں یہاں آپ اڑتے ہیں کہ خداوندی سے
اوستہ و امن آئے ہیں۔ میں نے ان کے استقبال کے لئے تو
امداد و مراد آپ کو آتے ہیں وہ ان کے آپ ہی جہاز کی ہے
معلوم ہو کہ سدا جس اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں "یوم الدین"
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوا میں اڑنے کی ہمت ہے۔

(تفسیر توبہ، ج ۱، ص ۱۰۱)

اس فقرہ میں ان ہی مصلحتی کے واسطے میں موت کا معاد
ہے اور ان کو مر غیب کا چاہئے، انتہا کیا ہے۔ اس پر تشریح
سطر میں واضح تب ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بات یہ
بیان کی گئی ہے کہ یہ ہستیاں جب مرتی ہیں تو خداوندی میں
اللہ کے نبی ان کا استقبال کرتے ہیں۔ ان کا پہنچانے میں یہ
ذمہ ہے کہ ان کا مقام نبوت سے بلند ہے (ان حرفی)۔

فتوت علیہ اللہ اب ان کا مقام نبوت سے بلند ہے تو نبی
کیوں نہ ان کا استقبال کریں۔ یہاں ایک اور بات قابل غور
ہے کہ یہ لوگ تصوف اور طریقت کا مہم بھرتے ہوتے اور
مذہبی کا دعویٰ کرتے ہوتے خالقوں میں جو نہیں ہیں اور

میں تو "حبیب اللہ"، "صاحب علی حب اللہ" اور
"قسیل اللہ" گزرا نہیں اور یہ ان کی پیشانی پر لکھا ہوا
نمودار بھی ہو جائے انہیں بے مہم بات ہو یہ وہ لکھتے
اور بیان کرتے ہیں۔ فقرہ سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے کیا معجزات
ہوئے، لاکھ سے لاکھ پر صحابہ کرام فوت ہوئے، یہ اللہ سے
شہید ہوئے، ان کی پیشانی پر کچھ ان لکھا ہوا نمودار نہیں
ہوا، کیا وہی طریقہ کے ہر کاروں یا یہ موقف ہے کہ
صحابہ کرام جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے
ان کا مقام شہادت طاق موت مرنے والے صوفیوں سے
کچھ بڑا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء اور انبیاء کے پیغمبر
سے ان کو کوئی تعلق خاطر تھا ہی نہیں، تب ہی تو وہ معجزات
ان کے ساتھ رہے یہ ان سے باہر تھے۔

۳۔ صحابہ کرام کے باب میں لکھتے ہیں

یوم الدین صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں انہیں
پانی چاہئے تھی کہ ہوا میں اڑی، آپ انہیں ہوا میں اڑنے
سے بھی کاماں دیا، انہیں وہاں سے ہوا میں اڑنے کا وہ قول
ہوئے کہ موت کا وقت طاق ہوا ہے، میں نے ہوا میں اڑنے
سے بھی انہیں ہوا میں اڑنے کا وہ قول دیا، میں نے ہوا میں اڑنے
سے بھی انہیں ہوا میں اڑنے کا وہ قول دیا، میں نے ہوا میں اڑنے
سے بھی انہیں ہوا میں اڑنے کا وہ قول دیا، میں نے ہوا میں اڑنے

تھی۔ اس بات سے مراد یہ ہے
علی جو نبی صاحب نے محمد رسول میں وہ نبیوں کی
ظاہر ہوا کہ کر کے "صحابہ کرام" کے فرق کو واضح کیا ہے۔
اللہ علیہ السلام کی ظاہر ہوا کہ نبی کی پانی اور نبی انہیں انہیں
کی ظاہر ہوا کہ نبی پر ہوا انہیں حال کو معلوم تو ہونا چاہئے کہ
آئندہ یہ امتنان ہے کیا جس کو علی جو نبی نے بیان کیا ہے؟
اللہ کے نبی و اللہ علیہ السلام کے متعلق یہودیوں کی الزام
تراشی کی روایت جس کو صحیح مانا گیا ہے نبی پھر تفصیل یہ
ہے کہ ہر یہودی نبی کی کہ انہوں نے ظاہر کرتے دیکھ لیا ہوا اس
کا دائرہ (معذرت اللہ) اس کے ساتھ رحمت نبی۔ یہودیوں کا
اپنے محسن نبی و اللہ علیہ السلام پر ظاہر کیا ہے، یہودیوں کو یہودیوں
انہیں ہے جس کو یہودیوں کو سست مان کر بیان کیا ہے۔ اس کو
اس فقرہ سے بیان نہ کرنا ہوا، نبی انہیں اور یہودیوں کی انہیں ہیم
اسلام سے بعض مہم موت کی امر پر روش ہے جس کی اس
طرح ہے ہوا کہ تا کہ وہ توفیق کی گئی ہے۔ پھر اسلام کے
خالق اس خالق کی عبادت کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے نبی
ﷺ پر بھی ایسی ہوا، میں نے انہیں ہوا کہ انہیں انہیں

شریک نہیں ٹھہرایا ہے :

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ يَتَّخِذُ
وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ
شَيْءٍ فَقَدْ رُفِعَ تَعْدِيلُهُ (الفرقان ٥)

”اللہ وہ ہے جس کی بادشاہی زمین و آسمان میں ہے اور کسی کو
اس نے اپنی شریک نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک
ہے اور اس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے اور اعلیٰ قدر مقرر کی۔“
لیکن صوفیاء قورب ذوالجلال کی عسری کا پیرہاٹھائے
ہوئے ہیں :

۱۲۔ اللہ کی عسری

عصر باریہ نے کہا :

سبحانی ما اعظم شأنی ”عسری ایک پاک ہے عسری
شان قہر ہے۔“ (کشف الحجاب، صفحہ ۳۸۲)

یہاں بھی بالکل صاف اور واضح و حوالے الوہیت ہے۔
ایک صوفی کی ذات کی تو چاہتی ہے، یاد دوسرے الفاظ میں
ہی تو اس کا مقصود مطلب مستطبی ہو تا ہے۔

حقیر نظف کی ایک لائن سے بے کسی وہ سرد سمانی میں
پیدا ہونے والے کی طرف سے اس قسم کا دعویٰ اپنی اوقات
بھول جانے کے حروف ہے۔ بھلا کہاں پیدا کرنے والا
خالق اور کہاں نظف سے پیدا کی گئی مخلوق! قرآن و حدیث
خالق و مخلوق کے فرق کو اجاگر کرتا ہے جب کہ تصوف کے
علیہ در اس فرق کو ہی قسم کرنے پر مجب ہوئے ہیں۔ قرآن
کہتا ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور بلند ہے۔ جبکہ باریہ کا دعویٰ
ہے کہ سبحانی ما اعظم شأنی، عسری ذات پاک اور
بلند ہے۔ باریہ یہ دعویٰ کرتے تو ہی اللہ قرار پائے اور
فرعون و دعویٰ کرتے کہ انا ربکم الاعلیٰ : ”میں تمہارا
بواہب ہوں“ تو کافر مذہب حق اور طہ قرار پائے (اور دھوکہ
کافروں میں ہے) لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ فرعون کے
دعویٰ اور باریہ کے دعویٰ میں کوئی فرق نہیں۔ ہاں اگر
فرق ہے تو یہ کہ باریہ کا دعویٰ فرعون کے دعویٰ سے دو
باجھ آگے ہے!

۱۳۔ عصر باریہ ایک دن اپنے عبادت خانے میں تھے کہ
ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ صل باریہ علی البیت (کیا باریہ
تیرے میں ہیں؟) تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں علی البیت ۶۱
اللہ (تیرے میں) اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے) یعنی عصر باریہ
کے دعویٰ میں موجود تھے لیکن جواب یہ تھا کہ یہ دعویٰ میں حق
تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے۔“ (کشف الحجاب، صفحہ ۳۸۶)

یہ واقعہ بھی ”وحدت الوجود“ کی تائید کرتے ہوئے

یہی بتا رہا ہے کہ اللہ کی ذات اور صوفی کی ذات ایک ہی ہیں،
وہ کوئی دو الگ الگ وجود نہیں۔ جب ہی تو باریہ نے گھر میں
موجود ہوتے ہوئے اپنے نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ہونے کا
ذکر کیا۔ کیسا بھیاں کفر و شرک و الحاد و تہذیب ہے یہ! اور یہی
ہیں جنہیں اولیاء اللہ کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ (افسوس صد
افسوس! امت کی مست مادی گئی ہے۔

۱۴۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک
درویش کہ کمرہ آیا اور نازک کہ کے سامنے ایک سال تک اس
طرح نگاہاں کر دیا اس نے کھانا کھانا نہ پانی پیا نہ پینے کی اور نہ رطب
حاجت کی۔ اس نے اپنی محض صحت و درود کو نازک کہ کی روایت
کی طرف منسوب کیا تھا وہی گویا اس کے لئے جسم کی غذا اور جان
کاپانی ہو گیا۔ (کشف الحجاب، صفحہ ۳۸۶)

ایک سال تک بغیر کھانے پینے تو کوئی انسان زندہ نہیں
رہ سکتا۔ یہ بزرگ یہ درویش انسان تھوڑا ہی ہیں! جب ہی تو
ایک سال تک بغیر کھانے پینے زندہ رہے۔ اللہ کے نبی اور
صحابہ کرام تو ان عوالم ضروریہ کے بغیر زندہ نہ رہ سکتے تھے۔
نور یہ ہیں کہ کمال کے شاید اس درجے تک پہنچنے ہوئے ہیں
جو نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام سے بھی اعلیٰ والرفع ہے۔
معاذ اللہ!

۱۵۔ حضرت باریہ رحمہ اللہ کے بارے میں روایت ہے کہ
آپ نے فرمایا کہ جب بھی میرے دل پر دنیا طویل گزارا ہے،
میں طہارت کرتا ہوں اور جب اللہ کا خیال گزارتا ہے میں
حاصل کرتا ہوں کہ کلمہ دیا جائے اور اس کا اندیشہ مدت (بے
وضو نہ دے) اکھاٹ ہے اور حقیت اور آرام کا ٹکڑا ہے اور
اس کا اندیشہ جنت ہے (اسی چابی کی وجہ سے حسیں و عیب ہوتا
ہے۔“ (کشف الحجاب، صفحہ ۳۸۳)

کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا پلید ہے۔ دنیا کا ایک
بائی ہو کر دنیا کے متعلق اس طرح کا فتویٰ دینا بھی عجیب تر
ہے۔ دنیا پلید ہے تو یہ خود اس پلید دنیا میں رہنے والے کیا
ہیں؟ حدیث میں تو کیا ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو پاک
قرار دیکر جائے نماز بنادیا ہے اور یہ صوفی ہیں کہ دنیا کو پلید
قرار دے رہے ہیں! خود اندازہ لگائیے کہ کیا تھے اور کیا ہیں؟
دوسری بات تو اور بھی زیادہ مگر وہ ہے کہ آخرت کا خیال
جنت کی حالت پیدا کرتا ہے۔ اس سے ان صوفیوں کی توارہ
ذہنی اور بے ہودگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خوف آخرت تو
ایک مومن کے شب و روز کا لازمہ ہوتا ہے۔ اور آخرت کے
عیش و آرام سے پہلے جو آخرت کی جولہ ہی کا معاملہ ہو گا، اس
کے خوف سے مومن کانپ کانپ جاتا ہے۔ اللہ کے نبی

ﷺ را توں میں گریہ و زاری کرتے اور اللہ کی مغفرت طلب
کرتے تھے۔ اور صحابہ بھی ان کی سنت کی پیروی کرتے۔ اور
نبی ﷺ نے تو ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اپنے اعمال پر نازاں
نہ ہونا کہ تم عیش و دے چاہو گے، وہاں تو وہی جگہ کے گناہ جس پر
اللہ کا فضل ہو گا۔ بھلا چراں ایسا کڑا معاملہ ہو وہاں جنت کا
سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ عیوم حساب اور اللہ کے عذاب سے
بے غمی کا کیا کام ہے! عقیدہ آخرت کا کیا منہ چرایا جا رہا ہے!
۱۶۔ خواب میں سید عالم ﷺ کی زیارت کی تو میں نے عرض
کی ”اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔“ آپ
نے فرمایا اے حبیب حواسک! (اپنے حواس کو گھوٹا رکھ) کیوں
کہ اپنے حواس کو بند رکھنا ہی عمل مجاہد ہے۔ (کشف الحجاب، صفحہ ۳۸۶)

اس طرح سے صوفیوں نے اللہ کے نبی ﷺ پر بہت
جھوٹ باندھا ہے۔ ان سے منسوب کر کے بے شمار من
گھڑت اقوال بیان کئے ہیں۔ اللہ ہی ان سے بخشنے کا۔ اللہ کے
نبی ﷺ نے تو خبردار کیا تھا کہ جس نے جان بوجھ کر میری
طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی ہو یا مجھ پر
جھوٹ باندھا تو وہ اپنا لھکانہ جہنم میں بنا لے۔ شاید یہ علم
در ان طریقت قرآن و حدیث سے قطعاً آتا ہے۔

۱۷۔ حضرت جید رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ
نے مجھ سے کہا کہ ”مجھے و کلمو“ تو میں عرض کروں گا کہ میں
نہیں۔ لیکن میں کہ جنت میں انھیں بھی فیہ اور لگانہ ہیں جب
کہ جہنم میں فیہ نہ تھے۔ و ہاں سے ہزار سنی ہے کیا کہ یا
میں بھی میں حق تعالیٰ کو انھوں نے دے دے اور دیکھا ہوں
تو آخرت میں اس سے کوشش کیا کروں گا۔ (کشف الحجاب، صفحہ ۳۸۲)

لولا اللہ کے باقی تو دیدار الہی سے قطعاً محروم ہو گئے
جائیں گے، دوسری بات یہ کہ جید صاحب دیدار الہی کرنے
سے انکار کر دیں گے تو ان کی مرضی۔ مومنین کے لئے تو
جنت کی سب سے بڑی نعمت یہی ہو گی جتنی دیدار الہی، اور
رب کا دیدار تو ان کی سب سے بڑی آرزو ہے۔

۱۸۔ ہمارے طرمان کے ایک گاؤں میں گیاہ منہ کے ہرست
مشہور تھا۔ ہاں میں سے ایک شخص کو دیکھنا نہ دیکھ سہولتی
کہتے تھے اور اس میں تمام نصیحتیں موجود تھیں۔ یہ شخص جس
سال پان پر ہی کمر اٹھا اور نواز میں تھیں کی حالت کے علاوہ
بالکل نہ بھلا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا
میں ابھی اس درجہ پر نہیں پہنچا کہ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑ
جائوں۔ (کشف الحجاب، صفحہ ۳۸۸)

ان صوفیوں کی باتیں تو بے سرو پا ہوتی ہی ہیں لیکن ان

کی حرکتیں بھی بنی عجیب ہوتی ہیں۔ ہلکا کسی صحیح الدماغ آدمی سے اس قسم کے افعال سرزد ہو سکتے ہیں اور گڑبیس۔ ان باتوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن میں آسانی رکھی ہے، اچھی اور اچھی نہیں، جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

يُزِيلُ اللَّهُ بِكُمُ الْبُسْرَ وَلَا يُزِيلُ بِكُمُ الْعُسْرَ
(البقرہ ۱۸۵)

”اللہ تمہارے ساتھ آسانی پہنچاتا ہے، اچھی نہیں ہٹاتا۔“

۱۹۔ علی جویری بیان کرتے ہیں

ایک دفعہ میں اردو ناٹوں کے بھرا ہوا محفل سے ملنے سے ان شعاعی نور کے لئے کہ وہ روزنامی کانٹوں میں رہائش پزیر تھے، راستے میں ہم نے ایک اور سرے سے کامیاب سب کو اپنے اپنے دہلی میں گئی اور علی و علی کا خیال رکھنا چاہئے تاکہ ہندو گدہ سے باطن سے ہمیں متعلق کریں اور ہمارا ہندو مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا ”مجھے تو ان سے ہمیں ان خصوصیات کی حکومت مہیا چاہئے۔“ اور میں نے کہا ”میں ان سے اپنی جلی کے طور سے ہونے کی دعا کرنا چاہتا ہوں۔“ اور تیسرے نے کہا ”میں ان سے صافتی سے کام لے کر ان کے لئے ہوں۔“ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہم سے ایک کانٹا کہیں ان خصوصیات مہیا چاہئے۔ احمد مجھے دے دے۔“ آپ نے ”آپ نے وہ میرے سامنے دے دے۔“ پھر ایک اور سرے سے کہیں نہ پانچ بیچہ انہی کی مرضی کی قسم ہوئی، اور وہ اس آئینہ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ تو شہنشاہی کا مومن ہو کر ہوں ہی نہ ہوں، تم لوگو! وہ لوگ اپنے ہونے سے، انہی کا دل اپنے ہونے کو شہنشاہی کا ہونا چاہئے۔

کرنا سے نہیں ہے۔“ (الفہرست، ص ۱۰۵، ۱۰۶)

ان واقعہ میں بھی صوفیوں کے علم غیب اور لوگوں کے باطن جاننے کا ذکر ہے جس کی چھپے صفحات میں کافی وضاحت ہو چکی ہے، یہاں ان کے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس میں ایک نئی بات یہ آئی ہے کہ یہ صوفی لوگوں کی تعلیم دینی تھی اور کر دیتے ہیں، جیسا کہ درج بالا واقعہ میں علی کے مرض کا دور کر دینا نہ کہ وہ ہے۔ اب ذرا قرآن الہامی کے اس میں قولہ انیم علیہ السلام کا یہ قول ملے گا کہ

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعراء ۸۰)

”جب میں بیمار ہوں تو وہی اللہ مجھے شفا دیتا ہے۔“

اللہ کے ہر گز یہ تھی کہ انیم علیہ السلام تو کہیں کہ جنب میں صاف ہوتا ہوں تو اللہ مجھے شفا دیتا ہے، اور علی جویری صاحب فرماتے ہیں کہ ہر گز صوفی بھی ہاتھ پیر کر امراض کو دور کر دیتے ہیں۔ جاوہر صوفی کے رجحانوں کی ایک ایک بات خرابی ہے اور قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے والے کے لئے اچھی۔

المرض ان صاحب طریقت ہستیوں کے ”خدا کی کارناموں“ سے ان کی اور ان کے عقیدے مندوں کی کتابوں کے بے شمار صفحات پھر سے دہنے ہیں جن میں سے کچھ اقتباسات بلور نمونہ یہاں پیش کئے گئے ہیں۔ دین حق کا متلاشی کتاب اللہ کی کسوٹی پر پڑھ لینے کے بعد باسانی ان کی حیثیت کا تعین کر سکتا ہے۔ دراصل تیسری صدی ہجری سے دین حق کے مقابلے میں دین طریقت کی تحریک زور و شور سے اٹھی اور محمد شیعین و فقہائے مقابلے کے لئے ”حق دین طریقت“ کی فوج تیار کی گئی اور قرآن و سنت کے مقابلے میں موضوعات و اقوال پر مشتمل مکتوبات و ملفوظات کے دفتر تیار ہونے لگے۔ تقریباً دو سو کے ذریعے اعتقاد حنبلی اللہ کے قلعہ کو محصور کرنے کی سازش ہوئی اور اہل ہندوستان نے مل کر ایمان کے اس خطا فحش قلعہ پر یقین چھایا، اور ایسا کامیابی کے بھندے نہ لے کر ہوا آخر یہاں تک پہنچی گئی کہ انسانوں کی اکثریت قرآن و سنت سے قطعاً آشنا ہو کر ان ہی ملفوظات و غیرہ کو قرآن و حدیث کا درجہ دے کر اس سے بھی بلند مقام دے چکی، پھر قرآن و حدیث کا جتنی مصمت انبیاء پرست و رازی اور صحابہ کی تفسیر سب چہرے کے لئے آسان ہو گیا، جس کا نتیجہ اللہ عز و جل سے لکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسحق بن منصور کے تحت خلافت کے قیام کے قیام کو ہم پر عطا کیا ہے۔ چنانچہ حق و باطل کی تلاش و نزاع سے علیحدہ رہی ہے۔ ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ شہر باطنی

فمن تكفر بالطاعات ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها
(البقرہ ۲۵۶)

”جو شخص طاعات کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے کر چلائے، اس نے سچا سچا عقیدہ قائم کیا ہے اور اس سے جدا ہونے کا نہیں۔“

کے تحت طاعات کا کٹر کیا جائے اور اس سے محبت اور اس کے احکام کے جانے نہ آئے، اعتدال کی روشنی اختیار کی جائے۔

امید ہے کہ ان طور کا مطالعہ حق کے متلاشیوں میں خواہش کو بچانے اور ان سے راستہ کرنے اور پوری طرح مجتنب ہونے میں مددگار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن و حدیث کو پڑھنے اور اس پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انی علیہ السلام اور آپ ﷺ کی سنت سے محبت اور اتباع سنت کا ذوق اور سچے دلدار اللہ سے محبت اور ان کے احکام کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے آمین

بقیہ ماہ صیام

- (۱۲۶) ایضاً (۱۳۰) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۳۳۔
(۱۳۰) بخاری، کتاب الاذان، باب ۵۵۳ (۱۳۱) مسلم، کتاب مساجد و المصاحف، باب مساجد و المصاحف، (۱۳۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۳۳۔
(۱۳۳) ایضاً (۱۳۵) ایضاً، باب ۱۳۵۔
(۱۳۶) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۳۶۔
(۱۳۷) ایضاً، باب ۱۳۷۔
(۱۳۸) ایضاً، باب ۱۳۸۔
(۱۳۹) ایضاً، باب ۱۳۹۔
(۱۴۰) مسلم، کتاب الصوم، باب ۱۴۰۔
(۱۴۱) ایضاً، باب ۱۴۱۔
(۱۴۲) ایضاً، باب ۱۴۲۔
(۱۴۳) ایضاً، باب ۱۴۳۔
(۱۴۴) ایضاً، باب ۱۴۴۔
(۱۴۵) ایضاً، باب ۱۴۵۔
(۱۴۶) ایضاً، باب ۱۴۶۔
(۱۴۷) ایضاً، باب ۱۴۷۔
(۱۴۸) ایضاً، باب ۱۴۸۔
(۱۴۹) ایضاً، باب ۱۴۹۔
(۱۵۰) ایضاً، باب ۱۵۰۔
(۱۵۱) ایضاً، باب ۱۵۱۔
(۱۵۲) ایضاً، باب ۱۵۲۔
(۱۵۳) ایضاً، باب ۱۵۳۔
(۱۵۴) ایضاً، باب ۱۵۴۔
(۱۵۵) ایضاً، باب ۱۵۵۔
(۱۵۶) ایضاً، باب ۱۵۶۔
(۱۵۷) ایضاً، باب ۱۵۷۔
(۱۵۸) ایضاً، باب ۱۵۸۔
(۱۵۹) ایضاً، باب ۱۵۹۔
(۱۶۰) ایضاً، باب ۱۶۰۔
(۱۶۱) ایضاً، باب ۱۶۱۔
(۱۶۲) ایضاً، باب ۱۶۲۔
(۱۶۳) ایضاً، باب ۱۶۳۔
(۱۶۴) ایضاً، باب ۱۶۴۔
(۱۶۵) ایضاً، باب ۱۶۵۔
(۱۶۶) ایضاً، باب ۱۶۶۔
(۱۶۷) ایضاً، باب ۱۶۷۔
(۱۶۸) ایضاً، باب ۱۶۸۔
(۱۶۹) ایضاً، باب ۱۶۹۔
(۱۷۰) ایضاً، باب ۱۷۰۔
(۱۷۱) ایضاً، باب ۱۷۱۔
(۱۷۲) ایضاً، باب ۱۷۲۔
(۱۷۳) ایضاً، باب ۱۷۳۔
(۱۷۴) ایضاً، باب ۱۷۴۔
(۱۷۵) ایضاً، باب ۱۷۵۔
(۱۷۶) ایضاً، باب ۱۷۶۔
(۱۷۷) ایضاً، باب ۱۷۷۔
(۱۷۸) ایضاً، باب ۱۷۸۔
(۱۷۹) ایضاً، باب ۱۷۹۔
(۱۸۰) ایضاً، باب ۱۸۰۔
(۱۸۱) ایضاً، باب ۱۸۱۔
(۱۸۲) ایضاً، باب ۱۸۲۔
(۱۸۳) ایضاً، باب ۱۸۳۔
(۱۸۴) ایضاً، باب ۱۸۴۔
(۱۸۵) ایضاً، باب ۱۸۵۔
(۱۸۶) ایضاً، باب ۱۸۶۔
(۱۸۷) ایضاً، باب ۱۸۷۔
(۱۸۸) ایضاً، باب ۱۸۸۔
(۱۸۹) ایضاً، باب ۱۸۹۔
(۱۹۰) ایضاً، باب ۱۹۰۔
(۱۹۱) ایضاً، باب ۱۹۱۔
(۱۹۲) ایضاً، باب ۱۹۲۔
(۱۹۳) ایضاً، باب ۱۹۳۔
(۱۹۴) ایضاً، باب ۱۹۴۔
(۱۹۵) ایضاً، باب ۱۹۵۔
(۱۹۶) ایضاً، باب ۱۹۶۔
(۱۹۷) ایضاً، باب ۱۹۷۔
(۱۹۸) ایضاً، باب ۱۹۸۔
(۱۹۹) ایضاً، باب ۱۹۹۔
(۲۰۰) ایضاً، باب ۲۰۰۔

حدیث نبوی ﷺ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سات بلاک کرنے والی چیزیں ہیں جو سب صحابہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! وہ (سات بلاک کرنے والی) کیا ہیں۔“ فرمایا: اللہ کے ساتھ شکر کہ کرنا، جاوہر کرنا، اس جان کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے، گھر یہ کہ حق کے ساتھ ہو، اور سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا، پاکدامنی و بے غیر مومنہ عورتوں پر حسرت لگانا۔

(الحق، ص ۱۰۰، مکتوبہ ص ۱۰۰، مکتوبہ ص ۱۰۰)

ایمان کے تقاضے

اُمّ سارہ

افسوس صد افسوس! آج یہ نگاہ گوشت کس طرح تفرق پر دانی کا شکار ہے! ہر فرقے کے عقائد شرک سے تولد ہیں۔ یہ مردوں کو قبروں میں زندہ سمجھتے ہیں، جبکہ مردوں سے بھی زیادہ ان کے عقیدے کے مطابق منوں مٹی تلے اگلے مردے زائین کو پہچان لینے ہیں۔ دہادہ میں تیر کر لیتے ہیں! اٹھتے قبر کے ذریعے یہ زندہ لوگ مردوں سے رابطہ کر لیتے ہیں تو وہ ان کو غیب کی باتیں بھی بتا دیتے ہیں! چنانچہ مردوں سے فیض حاصل کرتا اور ان کے واسطے وسیلے۔ مائیں، مائیں ان کے ایمان کا جزو لا ینفک بن چکا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی مردہ شخص ان کا داتا ہے تو کوئی سچ عیش، کوئی خوش اور خوش الا عظم ہے اور کوئی ان کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اس اسی طرح مردہ پرستی کے قدیم مشرکانہ دین پر انہوں نے اسلام کا ٹھیل لگا دیا ہے، اور پھر بھی اپنے آپ کو موصد سمجھتے ہوئے اہلسنت اور عاشق رسول ہونے کے دعوے دار بن بیٹھے ہیں۔ ایک طرف تو تعلیمات رسول ﷺ کو پامال کرتے ہوئے قبروں کو پکا کر کے گنبد بنانا، وہاں حاضری دینا، چڑھتے چڑھانا، خدائے پیش کرنا، ان سے اولاد مانگنا، خیر و برکت کے لئے التجائیں کرنا، قبروں کی مٹی کو خاک شفا تصور کرنا ان کا دین ہے تو دوسری طرف تعویذ، گنڈوں، گزوں، پھولوں، دھانگوں اور گینوں سے نفع و نقصان کا حصول ان کا عقیدہ ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں کو مشرکانہ قرار دیا ہے۔ یہ مردہ پرست قوم کس طرح اپنے ذہم میں مردوں کو خوش کرنے اور مردوں کا شکر لو اکرنے کیلئے ان کے دن مناتی ہے، ان کے نام کی تذکرہ کیا میں اپنے ہوسائل لاتی ہے! اس کو اللہ کے قبر و غضب کا ذرا بھی خوف نہیں رہا۔ اسی لئے تو آج دنیا میں دولت و سوائی اس کا مقدر مٹی ہوئی ہے۔

کو پوری طرح اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ سورہ فجر اب میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو عطا کی ہوئی نعمت کا ذکر فرماتا ہے۔

وَلٰكِنّ اللّٰهُ حٰطِبُ الْيٰكُمُ الْاِنْسَانُ وَ زَيْنَةُ فِی قُلُوْبِكُمْ وَ كَرِهَ الْیٰكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ (الحجرات ۱۷)

”اللہ نے تو تمہیں ایمان کی محبت دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں حریں کر دیا ہے، اور کفر و فحاشی اور گناہوں سے تمہیں منع فرمادیا ہے اور (جو اس مومنانہ طرز عمل کو اختیار کریں تو) وہی راستہ و ہدایت والا ہے۔“

ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا فرض جو مومن مرد سے پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر عمل میں رسول ﷺ کی پیروی کرے۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا وَرَیْكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحْكَمُوْكَ فِیْهَا شَیْءٌ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّنْ اَقْضٰیهِمْ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النساء: ۶۵)

”آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک اپنے معاملات میں آپ کو حکم (فیصلہ) کرنے والا نہ ہوں میں اور آپ کے فیصلے سے دل میں کوئی جھجک محسوس کریں بعد اسے خود ان کے ساتھ تسلیم کریں۔“

حدیث رسول ﷺ ہے کہ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبُّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِیْهِ وَ وَلَدِیْهِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری و مسلم، کتاب الایمان)

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے والد باپ اور اولاد... اور سارے انسانوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔“

یعنی یہ رشتے ذات و دوست، اہباب، دنیا کی محبت یہ سب مالک نے ہماری آزمائش کے لئے رکھے ہیں تاکہ دیکھا

الحمد للہ کفر و شرک کے ان گناہوں پر اندھیرا نہ ہو گیا۔

اَللّٰهُمَّ اَللّٰهُ وَ اَحَدٌ کی پکار تھی کہ لوگو! اللہ ہی کو اپنا رب مانو، اس کی ذات و صفات، حقوق و اختیارات میں کسی کو شریک نہ کرو، اس کے سوا کسی اور کو داتا، مددگار، مشکل کشا، حاجت روا، خوش اور خوش الا عظم نہ کرو، اس کے آخری رسول ﷺ کو ان کی سنت سے محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان خالص کے ساتھ اپنے سچے دین کی دعوت کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ قرآن و حدیث کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ نے صحیح دین کا شعور عطا فرمادیا ہے اسی کا فیض و کرم ہے کہ لوگ اس لئے ہم اپنے مالک کا جتنا بھی شکر لو ا کریں کم ہے کہ اس نے ہم جیسے کمزور اور کم مایہ انسانوں کو اس کام کے لئے چھانٹا کہ اس کے دین پر عمل کریں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں۔ یہ تو اس درگاہ و درجہ کی رپ کی عنایت و نوازش ہے۔ واللہ الحمد للہ علی ذالک

اب ہم یہ یہ ذمہ داری ہے کہ ہم دین اسلام اور اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور پوری طرح خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیں اور اس راہ میں آنے والی آزمائش پر صبر کریں۔ اسلام کا بنیادی مفہوم یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کے لئے ضروری ہے کہ ہم تسلیم و رضا کے جگر بن کر خوشی و خوشحالی کے ساتھ اسلام کے تقاضوں کو پورا کریں، اور اس کے لئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ اس عظیم نعمت کی قدر دانی کا تقاضا ہے کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں اپنے اخلاق و کردار، شب و روز اور طریقہ رہن سہن کو بدلیں، اور اس کے ہر حکم و نیا پرستوں کے اندر فکر و عمل سے برکت و برکت لاری کا اعتبار کریں اور نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ

جائے کہ ہم ہر اشی کو امتیت دیتے ہیں یا اپنے نفس کو۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خُجِيتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَ خُجِيتِ الْجَنَّةُ
بِالْمُكَاوَرَةِ (بخاری، کتاب الوصای)

"ہم کربلائی خواہشات سے داخل ہوئی ہے اور جہنم کا حجاب
یا نفس پر غلبہ کو ہی معلوم ہوں۔"

دنیا کی زندگی میں بڑی کشش ہے۔ انسان اگر دنیا کا طالب
ہو تو پھر قدم قدم پر اس کو جکڑنے کے لئے یہاں تھے
موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ كُنَّا لَكُمْ فِرَاقًا وَلَئِنَّ أَوَّلَ الْآيَةِ لَكُنُوزٌ
(احزاب ۲۶)

"رسول اللہ کی زندگی تمہارے لئے عرصہ نمود ہے۔"

ہر امت کے لئے رسول آیا اور اس امت کے لوگوں پر
اس کی اطاعت فرض کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت کرنے
والوں کو انعام سے نوازا اور نافرمانوں پر غضبناک ہوا۔ کسی
مستی کے لوگوں کو طوفان میں غرق کر دیا گیا، کسی کو جیوہ مند
آمدھی کے ذریعے ہست و ہود کر دیا گیا، کسی کو ہولناک سچ
سے ہلاک کر دیا گیا اور کسی مستی پر پھروں کی بادش کر کے
اسے فنا کر دیا گیا۔ چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اسی ہیں
اس وجہ سے ہم پر رسول اللہ ﷺ اور ان پر ہزل کی گئی کتاب
کی جیرونی لازم ہے۔ جیرونی کرنے سے کلی ایمان دہر کھائیں
گے اور کئی ہمارے ایمان کے عملی ثبوت کا سب سے پہلا
مرحلہ ہے۔ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے لوہے اللہ
کے احکامات کو پوری طرح نافذ کریں، یہ نہیں کہ ایمان کو
ایک لباس مانیں کہ جب ایمان والوں کی محفل ہے وہاں تو
زیب تن کر لیا، وہاں دنیا والوں کی محفل ہوئی وہاں اسرار
پیدا اور نگہ انداز کی طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ بھی
انسان تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں تمام معاملات پیش
آئے۔ ہماری رہنمائی کے لئے آپ ﷺ کی زندگی کا ایک
ایک گوشہ احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ آپ ﷺ
کے رشتہ دار بھی تھے اور دوست انبیا بھی۔ معاشرہ میں
آپ کی اتنی عزت تھی کہ لوگوں نے آپ ﷺ کو صادق اور
یقین یعنی سچا اور لافیت دار کے القاب دئے۔ آپ ﷺ کی
سچائی اور پاکیزگی پر سب کا کامل یقین تھا۔ یقین اس قدر مخصوص
اعتبار کے باوجود آپ ﷺ نے جب ایمان کی دعوت دی کہ
قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَاعْلَمُوا
"کہو کہ اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں، اور یقیناً وہ ہے کہ"

تو اس میں حق اور دعوت ایمانی کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ
کے ہمراہ دشمن بن گئے سوائے گنتی کے چند لوگوں کے۔
اور پھر جو ہاتھ مصافحہ کے لئے نکلتے تھے وہ گرجاں تک
چاہتے اور محبت لہری آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ اللہ کے نبی
ﷺ نے دعوت دیتے میں کوئی بدولت نہیں کی اور نہ یہ
خیال کیا کہ میرا خانہ ان بھو سے ترک تعلق کر لے گا،
میرے دوست اصحاب مجھ سے ہراس ہو جائیں گے۔ آج
ہم لوگ جو بے فخر سے اپنے آپ کو مسلم یعنی اطاعت گزار
کہتے ہیں، ہمارا دعوت دینے کا انداز یہ ہے کہ ایمان کی دعوت
رشتہ داروں کا موذیہ کر دیتے ہیں۔ دلوں میں اللہ کے
خوف سے زیادہ اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں رشتہ دار
ہراس نہ ہو جائیں، تعلقات میں رخنہ نہ پڑ جائے۔ مالک
فرماتا ہے:

وَمَنْ أَخْضَعْنَا قَوْلًا مَّتَى دَعَا إِلَى اللَّهِ وَ عَمِلَ

صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (مسلم ۳۳۰)

"اور اس شخص سے زیادہ بات کا صحیح کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی
طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلم ہوں۔"

سورۃ آل عمران آیت ۱۰۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

كُلَّمَا دَخَلَ أَحَدُ الْمَسْجِدِ لِلصَّلَاةِ فَاتْلُؤْا بِالصَّلَاةِ

وَتَهَنَّؤْا بِحَمْدِ اللَّهِ وَتَذَكَّرْوا أَلْفَ مَرَّةٍ

"تم میں سے ہر ایک لوگ جو نمازوں کی اسرار کے لئے میدان
عمل میں آئے گئے ہو، تم نیک و حکم دینے والے ہو، دینی سے متوجہ
کرتے ہو اور اللہ پا ایمان رکھتے ہو۔"

یہ بات یاد رہے کہ ہمیں ایمان کی دولت صرف اور
صرف اس لئے ملی ہے کہ ہم اللہ کے دین کی سرابندی کے
لئے سعی و جہد کریں اور ذاتی اغراض اور خاندانی دسم و رواج
کو پس پشت ڈال کر زندگی کے تمام معاملات کو قرآن کی
تعلیمات کے مطابق وسالیں۔ شادی و بیاہ کا معاملہ ہو، موت
و بیدارگی کا معاملہ ہو یا زندگی کا کوئی بھی معاملہ ہو، ہر معاملہ
پر دینی تقاضوں کو ملحوظ رکھیں۔ مثال کے طور پر شادی ہی
کے معاملے کو لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ کی شادی ہوئی، آپ
نے اپنی بیوی کا نکاح کیا، سواہ کرام، تابعین و غیرہ نے بھی
اپنے دینی اطفال کے نکاح کئے، لیکن نہ کہیں بے جا ہراس
ہو اور نہ نام و نمود، اور نہ ہی ایک دوسرے پر لباس و غیرہ
کے معاملے میں سبقت لے جانے کے لئے دکھلائے کی
تعریات کا اہتمام کیا گیا۔ ان کی شادیاں بھی کیا نہیں اس
سادگی و وقار کا نمونہ تھیں۔ صرف چند اشخاص کی موجودگی

میں ایجاب و قبول ہوا، پھر ولیمہ کی دعوت ہوئی، اور وہ بھی
اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق کی گئی، اپنی اولاد کے لئے
نہیں، اور نہ ہی ہم غیر بیع کیا گیا بھڑ حاضرین کے سامنے
ماہر پیش کر دیا گیا۔ ان کی ان تعریات میں سادگی کا یہ عالم
تھا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اتنی سادگی سے
شادی کر لی کہ نبی ﷺ تک کو دعوت دینے کی بھی ضرورت
محسوس نہ کی (بخاری، کتاب النکاح) کہ اس کے بعد ہمیں آج
کل ہمارے یہاں کی تعریات پر نظر ڈالنے تو ایسا لگتا ہے کہ
یہ منعقد ہی اس لئے کی گئیں ہیں کہ رشتہ داروں کے سامنے
انواع و اقسام کے پر تکلف کھانوں اور پیش ہمالیہ سات کے
ذریعے پیسے کی بے مقصد نمائش کی جائے۔ خود فرمائیے، ہم
کس طرح اس اسراف اور تنہر کے عرض میں جتا ہو کہ اللہ
کے اس قربان کو بھلائیے ہیں کہ

وَلَا تَبْذُرُوا مَالَكُمْ يَوْمَ الْفِتْنَةِ كَمَا تَبْذُرُونَ

إِخْوَانُ الشَّيْطَانِ ۚ وَ كَلَالُ الشَّيْطَانِ لِرَبِّهِ

تَقْوَرًا ﴿۱﴾ (بہار اسرافین ۱۲۷، ۱۲۸)

"... اور بے جا اسراف نہ کرو، جگہ اسراف کرنے والے
شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے آپ کا شکر ہے۔"

مومنین اور اسراف و اعتقاد چیز میں ہیں چنانچہ اللہ نے قرآن
میں اپنے مومنین و مومنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا
وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا
وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَالًا ﴿۹۰﴾ (الفرقان ۹۰)
"اور انہی کے لئے ہے کہ وہ ہیں کہ سب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ
اسراف کرتے ہیں نہ قی غل، اعتدال و اعتدال کے درمیان
اعتدال ہی ادا کرتے ہیں۔"

مومنین کا ہر عمل اسراف و افراط سے پاک ہونا چاہئے۔
اس بات کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہو گا کہ مومنہ خواہن اپنے
لباس و جسم کی نمائش کرتی پھریں، کیونکہ عورت کو اپنی
آرائش کا اعتبار صرف اور صرف اپنے شوہر کے سامنے کرنا
چاہئے تاکہ عوام الناس میں نمائش اور دیوکاری کے لئے
خود کرنے کا مقام ہے کہ شیطان نے کس طرح ہمارے
معاملات میں پھونکائی حاصل کر لی ہے۔ عورت معاشرے
میں ایک محترم و معزز مقام رکھتی ہے، وہ کوئی نمائش جنس
نہیں۔ اور اسلام نے تو اس کے مقام کو مزید احترام و وقار عطا
کیا ہے۔ "عورت" کے معنی تو "پردہ" اور "پھپھانے کی
چیز" کے ہیں۔ اس "پھپھانی جانے والی چیز" کو "عام" کرنا
یہودی ہی خصلتوں اور فساد کا سبب بنتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ

نے اس سے منع فرمایا۔ نبی ﷺ کے گمراہوں کو حکم دیا کہ
وَقَرْنِ فِيْ يَبُوتِكُمْ وَلَا تَبْرَحْنَ تَبْرِجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْأُولَى (الأحزاب ۳۳)

”سپہ گمراہوں میں چلی رہو اور (ایمان سے) پہلے کی جاہلیت کے
زمانے کی طرح رہو۔ یہ وہ نہ جو تم“
اور مزید حکم دیا کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ
الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۖ
ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ (الأحزاب ۵۹)
”اے نبی! اپنی ازوجین و بیٹوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے
کہ اپنے اوپر لوڑھیاں ڈال کر ٹھاکریں تاکہ وہ ٹھکانی جائیں اور
انہیں تکلیف نہ جائے۔“

گویا کہ مسومن اور غیر مسومن عورت میں شناختی علامت
”پردہ“ ٹھہرا۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لی جائے کہ وہ
مسومن خواتین جن کی گودوں میں مسومین و صالحین پر وہاں
چڑھیں اور جن کی آغوشِ تربیت سے داعیانِ حق اور مجاہدین
تیار ہوں وہ بھلا بے دین فیشن پرست دنیا داروں کے لباس و
وضع قطع اور اندازِ رہن سہن کیسے اختیار کر سکتی ہیں؟ ان کی
تو چال و چال، رہن سہن، کھانا پینا، خرفیہ ہر اندازِ دنیا
والوں کے لئے ایک مثالی نمونہ ہونا چاہئے جس سے قرونِ
اولیٰ کی شان نمایاں ہو۔

اب ایک دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو۔ ہمارے یہاں شادی
بیاہ اور دیگر تقریبات میں فوٹو گرافی کو لازمی سمجھا جانے لگا
ہے یہاں تک کہ میت کی تدفین وغیرہ بھی اس سے مستثنیٰ
نہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

إِنْ أَضْدَ النَّاسِ عَدَابًا عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
الْمُتَوَرِّثُونَ (بخاری و مسلم، کتاب اللباس)
”قیامت کے دن تصویر کھنی کرنے والوں کو اللہ سب سے زیادہ
عذاب دے گا۔“

لیکن اس فعل کی یہ توجیہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ یادگار رہیں
گی۔ مسومین کی زندگی میں تو وہی لحاظ یادگار ہوتے ہیں جو
ایسے آزمائشی مواقع پر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی
کامل اطاعت میں گزرے ہوں۔ ایمان لانے کے بعد تصاویر
کھینچنا یا کھینچوانا ایمان کے ساتھ منافقانہ قسم کی روش ہے۔ بعض
مشرکانہ طریقہ عمل کی مشابہت ہے۔ ایمان کا تو یہ تقاضا ہے
کہ شرکیہ افعال سے نفرت ہو اور ماضی میں اگر لاعلمی کی بنا پر
اس کا ارتکاب ہو گیا ہو تو اب معلوم ہو جانے پر اس کا نشان

بھی مٹا ڈالا جائے۔ دور جاہلیت میں اگر تصاویر کھینچی گئی تھیں
تو وہ موجود ہوں تو انہیں بھی ضائع کر دینا چاہئے۔ اللہ کے
رسول ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ
لَا تَدْعُ بِمَقَالَةٍ إِلَّا طَسَقَتْ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا
مُتَوَقِّفًا (مسلم، کتاب اللباس)

جو تصویر لکھرائے اسے طساق پھر نہ پھوڑا اور جو قبر ٹوٹی
لے اسے نہ لکھ پھر نہ پھوڑا۔“

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قبر اور تصویر کیونکہ شخصیت
پرستی کی بنیاد ہیں اس لئے ان کو مٹا ڈالنے کا حکم دیا گیا۔
دوسری جگہ آپ نے فرمایا:

أَمَرَنِي أَنْ أَفْعَلَ الْمَوَاطِئَ (مسند احمد، جز ۵،
حدیثات ۲۵۵، ۲۵۸)

”مجھے حکم دیا کہ آتے آتے توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔“
رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کے بعد ایمان کا تقاضا
ہے کہ ہماری نگاہ سب سے بڑی بے حیویتی، عیسٰی، کیمبرے،
ساز، گانے، وغیرہ قطع نہ ہوں۔ آج موسیقی کو ”روحِ کبھی
نہیں“ قرار دیا جاتا ہے حالانکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ
موسیقی سے ایسے سراسر رتھے کہ جہاں گانے جانے کی آواز سننے
اپنے کانوں میں اٹھیاں دے لیتے تھے (اور اور، کتاب الادب باب
کرمیہ وادار) لیکن فی زمانہ اچھے خاصے ہاشعور افراد اور بعض
خود کو ایمان دار کہنے والے لوگ بھی اپنی گازیوں میں سفر
کرتے ہوئے جہانِ اللہ کو یاد کرنے کے موسیقی سننے ہیں کہ
راست اچھا اور پر لطف کسے گا۔ ہمیں تو ان تمام کاموں سے جن
سے اللہ کے نبی ﷺ نے نفرت کی ہے، نفرت کرنی ہے،
بہر شہید نفرت، کیونکہ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

ذَٰلِكَ خُذُوهُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
يُخْذِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا ۖ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾ (البقرة ۱۰)
”یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی
اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن
میں غریب داخل ہیں۔ وہ لوگ اللہ میں بیشک رہیں گے اور یہ بڑی
عظیم کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا
اور اس کی حدوں سے لگ جائے گا تو اس کو اللہ جہنم میں داخل دے
گا جس وہ بیشک رہے گا اور اس کو اللہ کا عذاب ہو گا۔“

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کھنکھلیہ تو ایک طرح سے
ایمان کی حدود میں داخلے کا ٹکٹ ہے۔ اس کے بعد ہی تو

تو انہیں کی پابندی اور حدود و قیود کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ان
تو انہیں کی پابندی کا جو مومنوں پر ایمان دار کھلانے کے بعد
نافذ ہوتے ہیں۔ شرک پر اللہ کے احکام میں سے کوئی عمل
فرض نہیں، چاہے وہ صوم و صلوٰۃ ہو یا حج و زکوٰۃ یا جہاد فی
سبیل اللہ، یہ سارے فرائض تو ایمان خالص کے حامل
مومنوں کیلئے ہی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مومن ہی متقی ہوتا
ہے، اللہ کا وار، خوفِ ہی اسے آخرت کی یاد دلاتا ہے، ایمان و
عمل کی اصلاح کی طرف لے جاتا ہے۔ مالک فرماتا ہے:

أَحْسِبِ النَّاسَ أَنْ يُنْزِلُوا أَنْ يَقُولُوا أَمْنًا وَهُمْ
لَا يُفْقَهُونَ ﴿۱﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَلَيَقْنَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَنَنَّ الْكَاذِبِينَ
﴿۲﴾ (العنکبوت ۲۰، ۲۱)

”کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ اس آواز سے بے فہم نہ رہیں
جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور ان کو آزمایا جائے؟ حالانکہ
ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے
ہیں۔ اللہ کو تو مزید پتا ہے کہ بے کون ہیں، اور جو کون؟“
پھر سورۃ البقرة آیت ۲۱۳ میں فرمایا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ
الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسْتَكْبِهِينَ النَّاسَ
وَالضُّرَّاءَ ۚ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نَحْنُ اللَّهُ ۖ

”کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ تم ہی جنت کا دروازہ
جانے کا حالانکہ اگلی تم پر وہ سب نہیں گزرا جو تم سے پہلے ایمان
والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں، مستکبہیں آئیں اور بلا
بارے لگے، یہاں تک کہ تم اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے
سب پکارا گئے کہ اللہ کی مدد کر آگے۔“

ایمان کے تقاضوں میں یہ شامل ہے کہ اپنی دوستیاں جو
محض دنیوی اغراض اور خواہشات نفس کی خاطر ہوں ختم
کر دی جائیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدَكُمْ مِنْ
يُخَالِلُ (ترمذی، کتاب الوعد)

”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے جو بھی
دوست مانے تو دوست کو دیکھ لے کہ کس کو دوست بنانا ہے۔“

دوسری جگہ فرمایا کہ:

إِنَّ اللَّهَ يُفَارِقُ إِنْ الْمُؤْمِنِينَ يُفَارِقُوا وَغَيْرُهُ اللَّهُ إِنْ يَأْتِي
الْمُؤْمِنِينَ مَا حَرَّمَ عَلَيْهِ (مسلم، کتاب الوعد، باب عبود)

اللہ تعالیٰ

”اللہ غیرت کرتا ہے اور مومن بھی غیرت کرتا ہے۔“

کوئی مشکل نہیں رہے گی، کیونکہ مالک دینے بھی فرماتا ہے کہ جو شخص صدقہ دل کے ساتھ چٹائی کے راستے کی طرف، روشنی کی طرف گامزن ہوتا ہے تو اس کے لئے تمام راہیں منور ہو جاتی ہیں۔ سفیان بن عبد اللہ ثقفی نے روایت ہے کہ: **قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ طُورًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ..... قَالَ قُلْ أَصْنُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِيمْ بِسَلَمٍ**۔ کتاب الایمان، باب جامع لوصف الاسلام میں نے نبی ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام سے متعلق ایسی بات بتائیے کہ پھر آپ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: گو کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر جم چکا۔

ایک موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا:

الدُّنْيَا سَبْعُونَ الْمُؤْمِنُ وَخِصَّةُ الْكَافِرِ (مسلم، کتاب الوعد) ”دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔“

دراصل قوموں کے گھڑ میں آلودہ فکر رکھنے والی خواتین کا بڑا کردار ہوتا ہے کیونکہ وہ جلد ہی شیطان کے دامن سے گھائل ہو کر تقویٰ کی راہ سے منحرف ہو جاتی ہیں اور کفر و ایمان اور نرم طبیعت شہروں پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کیلئے یہ اصول و کلیہ بتایا ہے کہ:

الرِّجَالُ قَوَّاتُونَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء: ۳۴)

”مرد مرد قوت پر قوم (یعنی حسابات مرد پرست) ہیں۔“

اس کی مزید تشریح نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (بخاری،

کتاب الصعود، باب الجمعة في القرى)

”تم میں سے ہر شخص نیکان ہے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

ہمارے اندر جو بدعتی کا احساس ہر وقت تازہ رہے۔ اس بات کا احتساب ہو کہ کل مالک کی بارگاہ میں کھڑے ہو گئے اور وہ ہم سے ہماری رعیت کے حلقہ باز پر تن کرے گا۔ ہمیں چاہئے کہ گھر والوں کی جانوں کو ہمارے جسم سے چھاننے کے لئے شیطان کے شر سے انکو چھاننے کی کوشش کریں، اور اس کیلئے ضروری ہے کہ ان کو اللہ کی حدود و قیود کا پابند مانیں۔

موجودہ معاشرے میں تہذیب و ثقافت کے نام پر ہمارے اندر بدعتیوں نے اس حد تک جگہ پائی ہے کہ برائی اللہ پر بدائی، گناہ ظاہر گناہ نہیں معلوم ہو تا۔ مثال کے طور پر عید الفطر مسلمانوں کا تہوار ہے، اس میں ایک دوسرے کو تحفے تحائف دے کر خوشی منائی جاسکتی ہے، لیکن عید کا رد کی

رسم ہمارے اندر جیسا نبیوں سے چلی آئی ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ

مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداؤد، کتاب النہی) ”میں نے کسی قوم کی مشابہت یا تسبیح کی (یا رسم اپنائی) اور ان میں سے نہ کیا جائے گا۔“

ہم مسلم ہیں جس کے معنی ہیں اللہ کا اطاعت گزار۔ تو ہمیں ہر معاملے میں اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔ اپنے بچوں کو پوری طرح یہ بات سمجھانی چاہئے کہ ان کے دلوں میں بھی اللہ کی اطاعت گہر کر جائے۔

دوسری بات جو ہمارے یہاں محبوب نہیں سمجھی جاتی وہ ساگرہ ہے، اور اس میں بھی خواتین ہی زیادہ فعال اور سرگرم ہوتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کوئی خوشامی کی ساگرہ مہار ہے، کوئی چچ کی، حالانکہ ہم لوگ یہ جانتے ہیں کہ میرین کے علاوہ کوئی بھی دن ستارہ اسلام میں بالکل صبح ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سختی سے اس کی ممانعت کی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ گھر انوں میں دیکھتے ہیں آپ ہے کہ اگر دھوم دھڑکے سے یہ رسم بد نہیں مانتے تو خاموشی سے مٹا لیتے ہیں۔ شادی کی ساگرہ والے دن کھانے کا انتظام کرتے ہیں، ایک دوسرے سے تحائف کا چولہا ہوتا ہے۔ ساگرہ کے حوالے سے اس قسم کی تقریبات مومن گھرانوں کے شایان شان تو ہرگز نہیں۔ کوئی بھی دن ہو، غولہ ملک کی نام لہوا ”آلودی“ کا دن ہو یا نبی کی پیدائش یا موت کا، یا کسی اور رحمتی تہوار کا، ان کا مناجاد صحت ہے، اور بدعت سخت گناہ ہے۔ جوں کا شروع سے ذہن مٹانا چاہئے تاکہ وہ بھی اس بدعتی کو نہ لانی جائیں۔ پھر یہ نہ ہو کہ ۱۴ اگست کو جھنڈیاں، جیسے دوسرے لوگ لگا رہے ہیں، چڑھا کر رہے ہیں، ہم بھی بچوں کو پیسے دیں کہ وہ بھی یہ کریں، اور پھر اپنے اس فعل باطل کی یہ توجیہ پیش کریں کہ جب شعور آجائے گا تو خود ہی چھوڑ دیں گے۔ عجیب منطق ہے یہ! کیا ہمیں معلوم ہے کہ بچوں کے ذہن ہونے تک ہم زندہ رہیں گے؟ کیا مالک ہم سے اس معاملہ پر براہِ رس نہیں ہو گا کہ علم ہونے کے باوجود ہم نے اپنے بچوں میں صحیح اسلامی شعور کو اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی؟ جب ہماری اولاد باطل ہو کر ان بدعتوں میں پختہ ہو جائے گی اور ہمارے صبح کرنے پر ہاتھ آئے گی اور پوچھے گی کہ آپ نے شروع ہی سے کیوں نہ صحیح کیا تو ہمارے پاس اس وقت کیا جواب ہو گا؟

ظاہر معمولی نظر آنے والی یہ باتیں ایسی معمولی نہیں کہ ان سے بے توجہی برتی جائے۔ اگر مرد و خواتین کے اندر دین کا صحیح قسم پیدا کرنے کی کوشش کریں تو پھر پاؤں کی ذہنی تربیت کا کام آسان ہو سکتا ہے۔

ایک صحت علی پاشا نے رسم ہمارے یہاں رواج پذیر ہو گئی ہے اور وہ ہے انبوی کی منہ دکھائی۔ اس میں رشتہ دار، محرم و نامحرم اور مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ کیا ایک عورت کا سگھار اس لئے ہو جا ہے کہ محرم و غیر محرم رشتہ داروں میں اس کی نمائش ہو؟ بڑی ہی بے ہودہ رسم ہے! ہمارے یہاں کے دایرہ، چٹھہ، دولہا کے رشتہ دار اور دیگر اعزہ و اقارب سب ہی دامن کا چہرہ دیکھتے ہیں اور پھر اسے تحفے تحائف دیتے ہیں۔ کبھی عجیب رسم رواج پائنی ہے! خود کو ایمان دار کہنے اور اللہ کا اطاعت گزار سمجھنے والوں کو یہ باتیں زیب نہیں آتی ہیں۔ ان میں سب باتوں سے قطعاً پرہیز کرنا چاہئے۔ مالک اپنے بندوں سے ان کے ماں باپ سے بھی کئی گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس لئے بندوں کو بھی اس چاہت و محبت کا جواب تسلیم و رضا اور اطاعت و فرمانبرداری کی صورت میں دینا چاہئے اور سنت رسول ﷺ کے خلاف ایسی تمام مذہب و رسالت و بدعات سے انہاد امن پاک کر لینا چاہئے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے مالک نے اس مسئلہ پر ہی یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اسوہ رسول ﷺ کا پیگردن کر اور اللہ عز و جل اور نبی عن المتکر کا فریضہ انجام دے۔ یاد رکھئے جس نے بھی ایمان کی رلو پر چلنا شروع کیا اس پر آزمائش آئی ہے کیونکہ مالک آزمائش کی بھی سے گزار کر ہی ایمان دار کو کندن ہوتا ہے، پھر ایسے ثابت قدم لوگوں کو انعام میں جنت کی بے پناہ اور لازوال نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ لست مسلمہ ہونے کی وجہ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم نیکی کو پھیلائیں اور برائی کو مٹائیں۔ ہمیں آج ہی یہ کام کرنا ہے کیونکہ حدیث نبوی ہے:

الْكَيْسُ مَنْ فَاَنَ نَفْسَهُ وَغَيَّلَ لَهَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَتَّى عَلَى اللَّهِ (ترمذی، ابواب صفة القیامہ)

”محکمہ اور ذہین وہ ہے جو اپنا گناہ کرے اور غم نہ کرے بعد کی زندگی کے لئے غم نہ کرے، اور نہ خوف وہ ہے جو اپنی خواہش غم کی اجازت کرے اور اللہ پر امید نہ کرے۔“

ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنا احتساب کریں۔ ذرا اپنے آپ پر، اپنے گھروں پر نظر ڈالیں کہ اللہ کی کتاب کی

تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کی سنت کا فقدان تو ہمیں؟ ہمیں ہر وقت یہ دیکھتے رہنا ہے کہ کہاں تک ایمان کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں اور کہاں تک ایمان و تقویٰ کو پروردگار نے جاننے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم لوگ خصوصاً خواتین جو کہ قرآن وحدیث کے درس میں بھی شرکت کرتی ہیں، اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ خواتین حبیب رسول اللہ ﷺ کے پاس صحت کے لئے آئیں تو سب سے پہلے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے اقرار کے بعد ان سے اس بات پر بھی وصیت جاتی تھی کہ زیارت کر سچی، چوری نہ کریں گی، انجلی بات کی تائید کریں گی، ہمسوی بات کا یقین نہ کریں گی، یحییٰ ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گی (جاری و مسلم)۔ یاد رکھئے ایمان کا اقرار کرتے کے بعد ہم بھی اس وصیت (عهد) کے پابند ہیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ مالک کا تو فرمان ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
(التغویہ ۶)

”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔“

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہمارے اپنے مال و عیال، اولاد، بھتیجے بھائیوں، اعزاء و اقرباء اور دوست احباب سے محبت کا کیا بھی تقاضا ہے کہ ہم انہیں دنیاوی لوازمات میں الجھائے رکھیں کہ وہ اللہ سے دور، جنت کی نعمتوں سے دور اور شیطان سے نزدیک اور جہنم کے عذاب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں؟ العباد باللہ!

ذرا غور فرمائیے کیا سوچو وہ سبھی دوسری آلات جو کہ فی وی اور ویش کی صورت میں آج کل عام ہیں، کیا ان سے آنکھوں کا زخا نہیں ہو رہا؟ کیا عریانی و فحاشی کو عام کر کے اسلامی حدود و قیود کا جنازہ نہیں نکالا جا رہا؟ کیا ہمارے چھ رسول اللہ ﷺ، ابو جبر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی حیدر و خاندانہ یس و دیگر صحابہ کرام، محمد بن قاسم و طارق بن زیاد، اور ہماری چچیاں آسیہ و مریم، خدیجہ الکبریٰ، عائشہ، خولہ، فاطمہ وغیرہ کو اپنا آئینہ عمل ماننے کی بجائے اپنے گانے و گانوں اور والیوں کو اپنا آئینہ عمل نہیں مانتے ہیں اور ہم والدین یہ تعلیمات فراہم کر کے انہیں اس گمراہی میں آگے بڑھتے دیکھنے کی ترغیب نہیں دے رہے؟ اس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ یہ موجودہ ترقی یافتہ دور کی ”ضروریات“ ہیں، اگر

گھر میں یہ چیزیں نہ ہوں تو چھ ماہر جا کر دیکھیں گے، پورے پھر نہ جانے کیا کیا دیکھیں گے۔ لعنت ہے ان ”ضروریات“ پر جو ہمیں جہنم کی طرف لے جائیں۔ یہ ترقی نہیں محض ہے، بستی ہی بستی، مذلت ہی مذلت ایسی ترقی کس کام کی جو ابھرتی ہوئی نسل کو مادہ پرست مبد کردار اور دہشت گرد بنا کر رکھ دے انتھ ہے اس انداز فکر پر۔ اللہ کا فرمان بھی ذہن میں رہے جس میں نبی ﷺ کی دعوت قرآن کے مقابلے میں کہ کے ایک دوسرے مشرک لغوی حادث کے طرز عمل کو بیان کیا گیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْغَدِيثِ لِيُفْضِلَ
عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ (النحل ۶)

”اور لوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے جو یہ سودہ ہو رہا ہو کہ غریب ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے لٹکھائے۔“

اب ذرا اس پلور پر بھی غور کر لیں کہ کیا ہمارا ایمان اس بات کا متقاضی ہے کہ جب ہم اپنے دوستوں اور بھائیوں کے لئے شریک حیات تلاش کرنے چلیں تو بھلا معیار خوبصورتی ہو، دولت ہو، حسب و نسب ہو یا اس کے جانے ہم ایمان کو معیار مانیں اور دین کے لئے جدوجہد کرنے والیوں کو ترجیح دیں جن سے ہمارے گھروں میں تبدیلی آئے، پرسکون دینی ماحول ہو، ہمارے دلوں کو سکون نصیب ہو، اطمینان قلب ہو اور ہمارا خمیر ہمارے مسلمان ہونے کی گواہی دے۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے ہماری اصلاح کے لئے کیا کچھ نہیں کیا! سب سے بڑھ کر یہ کہ محفل و دانش اور حکمت سے لبریز کتاب قرآن کو پڑھ لی فرمایا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری رہتی دنیا تک خود ہی لے لی۔ اس قرآن کی ترجیح دیکھیں تقی محمد اور کسی حکمت ہے۔ سب سے پہلے بندہ اپنے عذاب سے دعا کر رہا ہے:

”تمام تہذیب اللہ رب العالمین کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، ہر شخص پر رحم ہے، ایم آقا کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے دعا کرتے ہیں، ہم کو سید عبادت دکھاوے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تے انعام کیا، ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تو غضبناک ہو اور جو گمراہ ہیں۔“ (۱۰۲۹۹۱۱)

اس دعا کی قبولیت کے نتیجے اور جواب کے طور پر حکمت و ہدایت سے بھرپور کتاب قرآن ہمارے سامنے ہے جس میں ہدایت و احکامات ہیں اور ساتھ ہی عبرت اور نصیحت کیلئے دوسری مضبوط و مگر لوگوں کے قلوب کے حالات ہیں، ہماری رہنمائی کے لئے جو پیروں کا دعوت دینے کا طریقہ کار ہے،

ان کی اطاعت نہ کرنے پر ان کی قوم پر عذاب کا تفصیلی بیان ہے، ٹیکو کاروں کے انعام کی تفصیل ہے، قیامت کی ہولناکی اور کفار و مشرکین پر عذاب کا بیان ہے۔ اگر ہم نے قرآن میں ایمان کر دیا ان عبرت آموز واقعات سے سبق نہیں لیا اور انبیائے کرام کی مثالیں ہوئی، لوہدایت کو نہ اپنایا تو پھر ہمیں بھی ہولناک سزا بھگتنی ہوگی۔ اگر ہم محمد عربی ﷺ کی حیات طیبہ کو سامنے رکھیں تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے کس طرح سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الْمَا مَطْلِي وَمِثْلُ النَّاسِ كَمِثْلِي وَجَلِ اسْتَوْفَدْنَا نَارًا
فَلَمَّا اخْتَأَتْ مَنَّا حَوْكُلُهُ جَعَلَ الْفَوَاشِ وَ هَذِهِ
النُّوَابِ اَللّٰی فَعَلَ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا لِيُجْعَلَ
يَنْوَعُهُنَّ وَ يَخْلُقَنَّهُ لِيَقْتَحِنَنَّ فِيْهَا فَمَّا اَعْلَى
يُخْجَرْنَ عَنْ النَّارِ وَ انْتَهَمَ تَقْصِمُونَ فِيْهَا
(بخاری، کتاب الرقاق، باب ۸۲۰)

”میرے مثیل اس شخص کی ہے جس نے آگ جانی بدوش کی بنیاد آگ نے بدوش طرف روٹنی پھیلا دی تو وہ اپنے اور دوسرے جانوروں آگ میں گرے ہیں آگ کے دور آگ میں گرے لگے آگ روشن کرنے والے شخص نے ان کو، ان شروع کیا لیکن وہ نہیں دیکھتے، اس کی کوشش پر غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں، میں بھی تم کو آگ میں گرے دیکھتا ہوں اور تم آگ میں گرے کی کوشش کرتے ہو۔“

اسی طرح ہماری مثال ہے کہ ہم نے مالک کے احکامات کو طر اموش کر کے اللہ کے نبی ﷺ کی تعلیمات کو زبانی مع خرچ تک محدود کر رکھا ہے۔ محض لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر بغیر کسی آزمائش اور بغیر کسی ملامت کے ایمان کے دعوت دار اور جنت کی نعمتوں کے حقدار بن چکے ہیں۔ ہم نے اپنے ایمان کو متحرک رکھنے کے بجائے جمود کر لیا ہے۔ افسوس کہ آج ہمارے پاس اس حکمت بھری اور ان کی سبق آموز کتاب کو پڑھنے کا وقت ہی نہیں، اس پر غور و فکر کرنے کی فرصت ہی نہیں، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی اسلامی خطوں پر توجہ کرنے کے لئے فراغت ہی نہیں! اگر وقت ہے تو صرف اخبارات، ذائقہ اور فضول رسائل پڑھنے کا، فرصت اگر ہے تو گھنٹوں فی وی، وی ہی کر کے سامنے بیٹھ کر فضول پروگرام، کرکٹ، بے ہودہ ذرا مول، فحش فلموں اور دیگر لغویات دیکھنے کی، فراغت اگر ہے تو اپنے بچوں کو سیر و تفریح کرانے کی اور مغرب کی خطیہ تہذیب و تمدن کے خطوط پر پرورش کرنے کی دعا اللہ تعالیٰ!

خطاب بن الارت

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (احزاب: ۲۳)

”ایمان لائے والوں میں ایسے مرد بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر رکھ لیا۔ ان میں سے کوئی تو اپنی ضروری کر پکھل کر کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے عہد سے کسی کو تبدیلی نہیں کی ہے۔“

قرآن کی یہ آیت ان سچے مومنین کے ایمان کی گواہی دے رہی ہے جنہیں دنیا اصحاب رسول ﷺ کے نام سے جانتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تربیت خود معلم القرآن نبی ﷺ نے فرمائی، قرآن کی آیات سنائیں اور ان کا تذکرہ کیا۔ انہی اصحاب رسول ﷺ میں ایک صحابی خطاب بن الارت رضی اللہ عنہ ہیں، جو بالکل ہی اللہ ہی اور اللہ کے ایمان لائے والوں میں سے ہیں۔ سوائے اسلام یعنی شریعت کے ایمان لائے والے چھ افراد میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

خطاب رضی اللہ عنہ قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت ام افرات کے غلام تھے، اور وہ ان سے لوہار کا کام کرواتی تھی۔ آپؐ نے جب فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی پکار سنی تو بجا خوف و خطر جا کر افتاء و صدقاً کہہ دیا۔ اس پر ہم افراد اور اس کے بھائی شیبہ بن عبد العزیٰ نے آپؐ پر سخت مظالم ڈھائے، لیکن آپؐ ایمان پر تھے رہے۔ ایمان خالص کے لئے انہوں نے جو عظم و ستم و تکلیف برداشت کیں وہ مثالی ہیں۔ اسلام کے لئے ستم کئے جانے والوں میں آپ کا نام ضرب المثل ہے۔ آپؐ نے اسلام کی خاطر جسمانی و مالی دونوں قربانیاں دیں۔ مکہ میں ان کو کس قسم کے دنیا پرست اور شقی القاب مشرکین سے سبھ جیڑا آیا، خود انہی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:

میں مکہ میں نہایت جاہلیت میں لوہار کا کام کرتا تھا اور نہ صرف اس کے سوا کسی پر میرا کچھ قرعہ تھا، میں (ایمان لانے کے بعد) اس کے پاس بھڑکے کرتے گیا تو وہ کہنے لگا کہ جب تک تم کا کفر نہیں کرتے میں تمہیں قرعہ نہ دوں گا۔ میں نے اس سے کہا: ”یہ میں کبھی نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ مجھے موت و نکرہ دو بار نہ دے کر دے۔“ اس پر وہ لانا، ”کیا میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا؟“ تو پھر مجھے چھوڑ دو یہاں تک کہ میں سر پہاڑ پھر اٹھ جاؤں، پھر مال و مالدار بنے گی اور میں تمہارا قرض لو کر دوں گا۔“ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: اَلَّذِي يَتْلُو الْفُرْقَانَ بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا لِلْكَافِرِينَ ۚ وَالَّذِي آتٰهُ اَطْلَعُ الْغَيْبِ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۚ وَهُوَ الْعَرِیْمُ عَدُوٌّ ۚ اِنَّ اَصْحٰبَآپؐ نے اس شخص کو دیکھا جو وہی آیات کا کفر کر رہے اور کہتے ہیں کہ مجھے مال و مال و ضروریات میں اس کے عیب کا علم حاصل ہو گیا ہے یا اس نے تمہیں سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ (بخاری، کتاب التہجد، باب اگر تمہیں اللہ اور)

ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ان پر اوحائے جانے والے مظالم کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ آپؐ میری پیٹھ دیکھ لیں۔ پیٹھ دیکھی گئی تو اس میں گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ بتایا کہ زمین پر انگارے دیبا کر مجھے اس پر لٹا دیا جاتا اور امیہ بن خلف میرے سینے پر بیٹھ جاتا، یہاں تک کہ میرے خون اور چربی سے وہ انگارے گھٹتے۔ ان سب مظالم کے باوجود صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ اسی شدت جو روحتم کے لیم میں آپؐ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ بخاری کی روایت میں ہے:

خطاب بن الارت نے بیان کیا کہ میرے رسول اللہ ﷺ سے اپنا حال ذکر کیا اور نبی علیہ السلام اس وقت جب اللہ کے سامنے میں اپنی جاہ پر بیٹھ رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپؐ کے لئے اللہ سے مدد کی دعا کریں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے (انبیاء اور ان پر ایمان

لانے والوں کا حال یہ تھا کہ ان میں سے کسی کو پکڑ لیا جاتا تھا اور گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جاتا تھا، پھر آرائی جاتا تھا اور ان کے سر پر دھکا کر دو ٹکڑے کر دئے جاتے تھے، اور لوہے کے ٹکچے ان کے گوشت اور ہڈیوں پر چیرے جاتے تھے لیکن یہ قربانی بھی انہیں اپنے دین سے نہیں روک سکی، اللہ کو اسے کہ اسلام کا کام مکمل ہو گا اور ایک سوار صنعتاے مصر موت تک جائے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا، اور نبی علیہ السلام کے خوف کے کوئی ذرہ نہ ہو گا، لیکن تم لوگ جلد پڑی کرتے ہو۔ (بخاری، کتاب التہجد، باب اگر تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول علیہ السلام)

خطاب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ انہیں قرآن فحشی و تلاوت کا بہت شوق تھا جس کا ذکر بخاری نے کتاب المغازی میں اس طرح کیا ہے:

علاقہ بیان کیا کہ ہم ان مسودے کے پاس بیٹھتے ہوئے تھے کہ اسے میں خطابؐ شکر لے لائے اور کہا: ابو عبد الرحمن! کیا یہ نوجوان اس طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں جسے آپؐ پڑھتے ہیں، ان مسودے نے فرمایا: اگر آپؐ چاہیں تو میں ان میں سے کسی کو عہد کے لئے کوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ضرور، اس پر ان مسودے نے فرمایا: علاقہ تم پڑھو۔ تو بنی حد کے بھائی زید بن حد پر اسے آپؐ ملے سے تلاوت قرآن کے لئے کہتے ہیں، حالانکہ وہ ہم میں سب سے اچھے قدرتی تھے۔ ان مسودے نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ حدیث بتا دوں جو رسول اللہ ﷺ نے تمہاری قوم اور اس کی قوم کے بارے میں فرمائی تھی۔ آخر میں نے سورۃ مريم کی پچاس آیات پڑھ کر سنائیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا اسے ہے؟ خطابؐ نے کہا: بہت خوب پڑھا۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: جو آیت میں جس طرح پڑھا ہوں وہ بھی اسی طرح پڑھتا ہے۔ پھر وہ خطابؐ کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ فرمایا: کیا ابھی اس کے اشارے کا وقت نہیں آیا؟ خطابؐ نے فرمایا: آج کے بعد آپؐ یہ انگوٹھی میرے ہاتھ میں نہیں دیکھیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے وہ انگوٹھی اسیروں۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب قدماء اشرعین و اصل انہی)

شریک کرتے تھے اور ان کو تابع و مقلد بھی سمجھتے تھے۔ واضح کر دیا کہ نہ جن عالم الغیب میں اور نہ ماضی و مضار و بعد وہ قویات ہے میں و لا ینظر ہیں کہ لا غشی کی حالت میں سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد بھی وہ کام سر انجام دیتے رہے جس پر سلیمان علیہ السلام نے انھیں مامور کیا تھا۔ اور اسی سبق آموز واقعہ کا اعتراف اس طرح کیا کہ ہوش و کوشش رکھتے و اولا ذرا غور تو کرو، ایسا لولوا اھوم بتقریر جسے اللہ تعالیٰ نے بے محال جاد و معجز اور شان و شوکت سے پھر پور امتیازات سے تو ارا اتھو بھی موت کے چٹل سے نہ بچ سکا۔ ویدنا بھرت کے لئے یہ منظر کیا دلگداز ہے کہ اس لہم شان و شوکت کے باوجود، عاجزی و اعتدالی کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے مگر کی تعمیر کی مگر اپنی نفس نفس عصاب کے سہارے کھڑے ہو کر سر انجام دے رہے ہیں، اور اسی حالت میں روح قبض کر لی جاتی ہے، اور جب عصاب کو دیکھ لگائی ہے اور وہ ٹوٹ کر گر جاتے تو اس وقت سلیمان علیہ السلام کا بے جان جسم زمین پر گر جاتا ہے، اپنی صلیت بھی نہ مل سکی کہ شاید اگلے میں مسخر ہو چکے کہ وہ اپنی اصل کو پہنچ سکتے!

اللہ تعالیٰ اپنے ان عزیز و بدوں کی زندگیوں کے نقوش سے رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



فرمان رسول ﷺ

معاذ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بدوں پر کیا ہے اور بدوں کا اللہ پر کیا حق ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ کا حق بدوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی بدگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور بدوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو وہ اسے عذاب نہ دے۔ (بخاری، کتاب التہجد)

أَمْوَالَهُمْ بِلَا ظَنِّهِمْ

”اللہ نے مومنوں سے جنت کے عوض ان کی جان و مال کا سودا کر لیا۔“

کے مصداق تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے عیش و عشرت پر چٹنے کی توفیق عطا فرمائے آمین



بقیہ ایمان کے تقاضے

ایمان بلا حرکت کا تقاضا ہے کہ ہم اس دن سے ڈریں جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ جب آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر، غرض کہ کائنات کا سارا نظام کھپت ہو جائے گا۔ آج جن رشتوں کی خاطر، بیس نفس کی خاطر ایمان کی راہ پر چلے گئے ہیں، جن کے ”سسانے“ مستقبل کی خاطر ان کو ہموار نمودارے پاک، رہا گیری و تفریق سے خالی، سخت نبوی سے آراستہ طرز تمدن، دینی ماحول و ایمانی فضا سے محروم رکھتے ہیں، اس دن انسان ان رشتوں کو اپنے گھر سے اجڑ پیچھے گا، کہے گا کہ مالک ان سب کو آگ میں ڈال دے، ہمیں آج کے دن عذاب سے چھٹے۔ (سورۃ النور) اسی لئے اگر آج ہم ایمان کے تقاضوں کو سمجھ لیں تو ابھی بھی وقت ہے کہ ہماری اصلاح ہو جائے۔ اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار بنالیں تو اسی میں ہماری کامیابی ہے۔ ایمان کی قدر کرنے والوں کے دل کی تپکاری یہ ہوتی ہے کہ:

رَبُّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا (آل عمران ۱۱۰)
”اے خدا، رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے ہمارے خدا کا پندہ پڑا ایمان لے آؤ، تو ہم ایمان لے آئے۔“
عباد الرحمن کی توصیف یہ بتاتی تھی ہے کہ
إِذَا دُكِّيُوا بِأَيْتٍ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعَنُتًا (الفرقان ۲۸)
”ہم ایمان کے رب کی آیات کے درپے نصحت کی جانے تو ہمارے ہر اندے ہونے کا ثبوت نہیں دیتے۔“

بہر نصحت کو قبول کرتے ہیں، مالک ہم سب کو ایمان کے تقاضے جیسا کہ ان کا حق ہے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادے، ہمارے ذہنوں کی گرہ کھول دے، ہمیں اپنا سچا مسلم بنادے، مالک ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں اپنے صالح بدوں میں شامل فرمائے آمین

غیاث رضی اللہ عنہ تحریر بھی تھے، چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کلمہ و عصر (کی صلوٰۃ) میں قرآن پڑھتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، پڑھا کرتا تھا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوتا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ وائمی کی حرکت سے (حدیث، کتاب الوضوء، باب من نطق بقرآن فی العصر یا عصر) یعنی لام حذوٹ برزی کرے تو وقت کو بھی حرکت دے تاکہ دل ہی دل میں تلاوت کرے اور منہ کو حرکت ہی نہ دے۔

غیاث اپنا کام خود ہی کرتے تھے اور باوجود عداوت کے، آخری عمر تک یہ معمول جاری رکھا۔ صحیح بخاری کتاب المرنی میں حدیث کے الفاظ ہیں:

(فصل فی الی عامر ابی حدیث میں باوجود عداوت ہونے تو آپ دعا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: سلیمان کو ہر اس چیز کا ثواب ملتا ہے جسے وہ خرچ کرتا ہے۔ اسے اس مال کے ثواب ملتا ہے جس سے بھوکا کر کے رکھتا ہے۔

اللہ نے غیاث رضی اللہ عنہ کو مال و دولت بھی عطا کیا تھا لیکن اس کی طرف فکر بھر کے بھی نہ دیکھتے تھے۔ ترمذی کی روایت کے مطابق انہوں نے کہا:

”میں نے اپنے آپ کو اصحاب رسول کی مصیبت میں دیکھا ہے بلکہ میرے پاس ایک اور دم بھی نہ تھا لیکن اب میرے گھر کے کونے میں چائیں برودم چھپا پڑے ہیں۔“ (ترمذی، کتاب التہجد، باب ما ہادی فی الجہنم من لعلی الموت)

کسی صبری کی وجہ سے ان کے پیٹ میں سات درخ لگائے گئے تھے۔ عداوت کرنے والے جب ان سے ملے تو آپ نے فرمایا:

”میں نے نبی کے ساتھ اللہ کی رضا ہوئی کے لئے ہجرت کی۔ چنانچہ ہمارا اللہ کے احسان ہے۔ جس ہم میں سے کوئی نہ کفر کیا اور نہ کفر نہیں کیا، ہمارے ساتھی ہم کو فتنے پہنچے، ورنہ اس حال میں نہ نصرت ہونے کا دیکھنے ان کے عمل میں کوئی کمی نہ لی اور ہم نے اس کیلئے کہ جس کے خرچ کرنے کے لئے ہمارے پاس صرف مٹی کے سوا کچھ نہیں۔۔۔ اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرتے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ان کی دعا کرتا۔“ (حدیث، کتاب المرنی، کتاب التہجد)

غیاث رضی اللہ عنہ قد اُفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ والی آیات میں بیان کر دے کہ وہ صاف کا پیکر تھے۔ کہ کے ایک غلام اور لوہار تھے، لیکن ایمان پر استقامت کی وجہ سے اصحاب رسول ﷺ میں انھیں نمایاں مقام حاصل ہوا۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں اللہ کے ولی تھے اور سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَ

قافلہ ہے رواں دواں

بِحَمْدِ اللّٰهِ

ترتیب: کیپٹن ارشد، شکیل الرحمن و ارشد ظفر

کل پاکستان تربیتی اجتماع بزرگہ ناظمین

اس وفد (۲۸ تا ۳۰ اپریل ۱۹۹۶ء) یہ اجتماع مسجد توحید، توحید نگر، کبیر وال، ضلع خانیوال میں منعقد ہوا، جس میں چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر سے ۱۵۰ ظہیمین و نائب ظہیمین کے علاوہ قرب و جوار کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے مساجدوں نے بھی شرکت کی۔

۲۷ اپریل کو صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ یونس کی آیت نمبر ۳۱ کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ حکیم صاحب نے مذکورہ آیت کی مولفیت میں کتاب و سنت اور عرب کے زمانہ جاہلیت کی تاریخ کے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں مشرکین عرب کے عقائد کا تفصیلی جائزہ لیا اور آج کی "ملت مسلمہ" کے معروف عقائد سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ ان کے مقابلے میں آج ایمان و اسلام کے دعوہ اردوں کی اکثریت کے عقائد زیادہ خراب اور بے حالت میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت اندرونی طور پر بے امنی، انتشار اور حزن کا شکار ہے اور اجتماعی طور پر دولت و رسوائی پرستی و مظلومیت سے دوچار ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ نے چالیس وادی کے کنارے پر کھڑے اس معاشرے میں دعوت اٹھائی اور اللہ کی تائید و نصرت سے عقائد کی اصلاح کے ذریعے مظلوم تہذیبی پیدا فرمائی، آج سچے ایمانداروں کے اخلاص کا تقاضا ہے کہ وہ انھیں اور کتاب و سنت کی تعلیمات اور انبیاء علیہم السلام کی مشرکت سے پرہیز کر کے دعوت کے ساتھ چلتے واپسی قائم کر کے

اصلاح احوال کے لئے سرگرم عمل ہوں اور اس طرح اپنے آپ کو آخرت کی کامیابی اور جنت کی لازوال نعمتوں کا مستحق بنانے کی کوشش کریں۔

اجتماع کی باقاعدہ کاروائی کا آغاز آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انھوں نے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۳-۱۰۴ کی روشنی میں اہل ایمان کی دعوتی ذمہ داریوں کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا کہ اس سلسلے میں اپنے اپنے دائرے میں فرد و جماعت یکساں طور پر ذمہ دار ہیں۔ دنیا و آخرت کی فلاح ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو خالق کائنات کی طرف سے دعوت الی الخیر یعنی امر بالمعروف اور نہی منکر کے اس تائیدی حکم کی چٹاوری میں حسب توفیق اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ انھوں نے سامعین کو اس حوالے سے ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے بتایا کہ ہمیں اس کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ ایک فریضہ سمجھ کر کرنا ہے اور یہی اسی صورت ممکن ہے جب ہم میں سے ہر ایک اس دعوت سے عملی اور مخلصانہ واپسی قائم کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ ہو۔ انھوں نے اس سلسلے میں تعلیم و تربیت کے حصول اور سیرت و کردار کی تعمیر کی اہمیت گویا بیان کرتے ہوئے ذمہ دار مساجدوں پر خصوصیت سے زور دیا کہ وہ ایسے پروگراموں میں اپنی شرکت کو لازمی اور باہمی بنانے اور ان سے کما حقہ استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور پھر اس کام کو اپنے اپنے مقام پر جاری رکھیں۔ انھوں نے اخلاص کی معمولی تہذیبی کے ساتھ قرآن میں چار مختلف مقامات پر وارد ہونے والی آیات دعوت کے حوالے سے سامعین کو بتایا کہ جس طرح اللہ کے

رسول ﷺ نے آیات قرآنی اور تعلیم کتاب و سنت کے ذریعے صحابہ کرام کی تربیت و تزکیے کا انتظام فرمایا اور ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کے ذریعے ان کو امت کی بھترین جماعت بنایا، اسی طرح ہمیں بھی اللہ کے دین کی دعوت کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے لئے کتاب و سنت کی رہنمائی میں اپنی تعلیم و تربیت کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے بعد راولپنڈی کے ساتھی ظلیل الرحمن صاحب نے حاضرین کے سامنے تجویز کے چیدہ اصول بیان کئے اور پھر ان کی روشنی میں قرآنی آیات کی قرأت کی مشق کرائی۔ تجویز کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے تحت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۶۵۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کے حوالے سے آدھ نمونہ دور اس کے چار فقرے میں ہو گئے۔ فہم القرآن کے سلسلے میں ہونے والی ان تقریر میں لاہور سے کیپٹن (ر) ارشد، فیصل آباد سے رفعت، خوشی صوبہ سرحد سے فہم بلند اور کراچی سے صدر علی نے حصہ لیا۔ اگرچہ ایک متعین موضوع پر اظہار خیال کے اعتبار سے چاروں مقررین کی کارکردگی مناسب تھی تاہم جم صاحبان کے فیصلے کے مطابق مطلوب معیار کے لحاظ سے نوجوان رفعت اول، صدر علی دوم اور کیپٹن (ر) ارشد سوم رہے۔

فہم القرآن کے پروگرام کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی، جس میں حاضرین نے مختصر اپنا اپنا تعارف پیش کیا۔ تعارفی نشست کے بعد صلوٰۃ الفجر اور طعام کے لئے وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد عربی قواعد پر مشتمل تعلیمی پروگرام ہوا، جس میں مدرس کے فرائض کراچی کے ساتھی منور سلطان صاحب نے انجام دیے۔

عرفی تعلیم کے بعد کتابچہ "اتقوا اللہ فیہم پر مشتمل زبانی امتحان ہوا۔ اس سلسلے میں حاضرین کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان سے بڑی بڑی سوالات پوچھے گئے۔ اس طرح یہ امتحان ایک متعین موضوع پر مصلوباتی پروگرام کی صورت اختیار کر گیا جو خاص دلچسپ رہا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد باہمی مشورت کی نشست ہوئی جس میں شرکاء نے اس اجتماع کے مختلف پروگراموں کے بارے میں اپنی آراء پیش کیں اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اجتماع کو مزید بھر جانے کے لئے تجویز بھی دیں۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا جو عشاء تک جاری رہا۔ اس پروگرام کے دوران امیر عظیم نے حاضرین کی طرف سے مختلف معاملات و مسائل پر کئے گئے سوالوں کے قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دئے۔ صلوٰۃ العشاء اور کھانے کے بعد مرکزی شوریٰ کی میزبانی ہوئی۔

۲۸ اپریل بروز منگل صلوٰۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ہاشم ہاسٹل عبد العزیز صاحب نے سورۃ الانبیاء کی آیات ۵۱ تا

۵۶ پر مشتمل درس قرآن دید۔ انہوں نے ہدایہ علیہ السلام کے اسود کے حوالے سے بیان کیا کہ اسلام بھی اللہ کی عطا کردہ نعمت کی قدر دانی ہونی چاہیے حتیٰ لیکن حال یہ ہے کہ ہم جس قدر خیر القرون سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اسی قدر "مسلمہ" کا پیر و مکروہ شرک سے آلودہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور موجودہ صورت احوال نبی علیہ السلام کی حدیث میں بیان کردہ سادہ انبیاء علیہم السلام کے حوالوں کے کن جانیشوں سے مختلف نہیں جن کا عمل ان کے قول سے مختلف تھا اور جو وہ کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور ایسی صورت میں نبی علیہ السلام نے صرف ان لوگوں کے ایمان کی گواہی دی ہے جو اس صورت احوال کی اصلاح کے لئے اپنے ساتھ "زبان اور دل" (یعنی اپنے رویے) سے جدا کریں۔ چنانچہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ایمان و عمل کے لحاظ سے یکسو ہو کر اعادہ کلمہ اللہ کے لئے جدوجہد کی جائے۔ اسی مقصد کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری اور کوشش ہونی چاہئے۔

یہی خیر امت کا فرض سمجھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ انکشاف بھی ایسے ہی لوگوں سے فرمایا ہے جو شرک سے پاک ایمان کے حامل اور ان کے تقاضے پورے کرنے والے ہوں۔ اشراف اور دانش کے وقت کے بعد تجدید قرأت القرآن کا پروگرام ہوا جس میں مدرس کے فرائض فطیل الرحمن

صاحب نے انجام دئے۔ تجوید کے بعد کراچی کے ساتھی یعقوب علی صاحب نے اصول حدیث کے سلسلے میں جاری باتیں بیان کیں اور گزشتہ اسباق کا اعادہ کیا۔

اس کے بعد صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے سورۃ المؤمن کی آیت نمبر ۳۶ (الْفَاَزُ يُغْضَوْنَ عَلَیْہَا غُضُوًا وَغِشِیًا) کے حوالے سے عذاب قبر کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے حصہ و حوالہ جات کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا کہ عذاب قبر کا حلقہ مرنے کے بعد اس ذمہ گزرتے ہیں مردہ جسم کے ساتھ نہیں بلکہ عالم برزخ میں روح کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ اس زمینی قبر میں دفن ہونے والے مردہ جسم پر عذاب قبر مانتے سے حیات فی القبر کا اثبات ہوتا ہے جس سے قرآن کی متعدد حکم آیات کا کفر لازم آتا ہے۔ عمر خطاب صاحب کی تقریر کے بعد عرفی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں مدرس کے فرائض سرگودھا کے ہاشم ہاسٹل عبد العزیز صاحب نے انجام دئے۔

۲۸ اپریل کو صلوٰۃ الفجر سے قبل امیر عظیم کے اختتامی کلمات پر یہ دورہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر عظیم نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیت الہی کی آیات سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے کبیر والہ کے اس پرانے مرکزی قی قمارت کے حوالے سے یہاں (خانہ اول) کے ناظم ملک منظور الحق مرحوم کی خدمات اور خیر روز کو ششوں کا ذکر کیا جن کے نتیجے میں اس مرکزی تعمیر کا بنیادی حصہ مکمل ہوا، جس کی تکمیل کے ساتھ ہی ایک رات کو انیس انتہائی بیدردی سے قتل (شہید) کر دیا گیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مرحوم بھائی کی خدمات سخی و جہد کی قبولیت، مغفرت اور بلند فی درجات کے لئے دعا فرمائی۔ اور پھر تلاوت کردہ آیت کی وضاحت کے سلسلے میں بیان کیا کہ جو لوگ اپنی آخرت کے بارے میں غرور مند ہوتے ہیں وہی اپنے مقصد حیات کے حصول کے لئے متحرک اور سرگرم ہوجاتے ہیں، اپنے مالک کے یہاں پیشی کے احساس سے لڑاؤ و ترساؤ رہتے ہیں اور اسی سے گونگا کر انہماک خیر کے لئے اٹھ اٹھتے ہیں۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو قرآن سے تعلق جوڑ کر اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی تلقین کی اور کہا کہ اللہ کی کتاب سب کے لئے کھولی ہے۔ اسی رکوع کے آخر میں اہل ایمان کی امتحانیت کیلئے رہنما

اصول بیان کیا گیا ہے (یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الصَبِرُ وَاَوْ صَابِرُوْا وَ رٰبِعُوْا ۚ وَ اَتَقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ) کہ تمہارے دشمن کی اس راہ میں تمہارا اسلحہ، صبر و صبر، صبر، ربط و رابطہ اور تقویٰ ہے۔ وہ دن کی حاضری پر اکتفا کامیابی کی ضمانت نہیں۔ چھ گھنٹہ مشروب سے توانائی نہیں آئے گی۔ اس بھیجی کی مسلسل تیاری کی ضرورت ہے۔ کتاب، سنت سے تعلق، تقویٰ شعاری اور اس راہ میں جہاد کے لئے پوری طرح کمر بستہ کس کر تیاری کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماعات تو محض رہنمائی اور سال بھر کی تیاری کا جائزہ لینے کا ذریعہ ہیں۔ ہمیں اس عظیم مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے بھرپور احساس ذمہ داری سے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے اور آنے والوں کے لئے نفعی راہ چھوڑنا ہے۔ مالک کے یہاں اس کی قدر دانی ہے۔ اس میں کوتاہی پر اس کی پکڑ بھی سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور کرے اور توفیق احسن سے نوازے۔ آمین

کل پاکستان طلباء

سالانہ تربیتی پروگرام

طلباء کا سالانہ تربیتی پروگرام اس واقعہ پر سرگودھا میں منعقد ہوا۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو شام کو یہ تقریب انعام ساقی اجتماع گاہ میں منعقد ہوئی۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد لاہور کے ساقی معراج الدین صاحب نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیت الہی کی آیات پر درس قرآن دید۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے ایمان حاصل کرنا شروع کر لیا ہے۔ اب مکمل صالح کی طرف ہمیں بھرپور توجہ دینی ہوگی۔ قرآن میں جگہ جگہ ایمان کے ساتھ مکمل صالح کا ذکر ہے۔ اگر مکمل صالح سے ہم ایمان کا ثبوت دے سکتے ہیں تو یہ ہماری اللہ کے یہاں گرفت کا سبب بنتی ہے۔ آج ہماری دنیا میں کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جن کے عقائد میں خرافہ نہ ہو۔ ان حالات میں ایمان حاصل اختیار کرنا بہت ہی سعادت مند ہے۔ لیکن ایمان اختیار کر لینے کے بعد عمل میں کوتاہی بھی سعادت مند ہی بخرو ہے۔ اس لئے آپ ساجھوں کو اس طرف بھرپور توجہ دینی ہوگی۔ معراج الدین صاحب کے درس کے بعد واقعہ داشتہ اشراف حق

اس کے بعد راہ پینڈی کے بھائی صحت ساقی قادری فطیل الرحمن کے بیان سے تربیتی پروگرام کا اعادہ آغاز ہوا۔ صاحبزادے نے فطیل الرحمن صاحب ہمارے ساتھی ہیں جو ہماری تعلیم میں آنے سے پہلے ایک مدرس کے متعمد تھے اور وہ مدرس بن کر ان کی تہذیبی کا ذریعہ تھا۔ وہ بہت ہی دعوت حق کن تک پہنچی تو انہوں نے کھلے دل سے اسے قبول کیا۔ دین پر اجرت کے معاملے میں جب

انہوں نے دیکھا کہ قرآن اور حدیث دین پر اجرت کو حرام قرار دیتے ہیں تو انہوں نے اس سے بھی قویہ کر لی اور اللہ پر نعرہ سر کر کے اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔ آئین انہوں نے اپنے بیان کا آغاز سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۹۰ سے کرتے ہوئے بتایا کہ صحابہ کرام ایمان کی تولا: "اٰیْمَنُوْا بِیْزَیْنٰم" کی پکار پر اگلے ہوئے تھے اور پھر اسی ایمان کو پھیلائے انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ قرآن کے دوسرے انہوں نے کفر و شرک کے خلاف جدوجہد کی۔ آج نصف مسئلہ کی جانی اور ہادی کی اصل وجہ ایمان کی خرابی ہے۔ کوئی مسلک آج ایسا نہیں ہے جس کے عقائد کتاب اللہ کے خلاف نہ ہوں۔ اس لئے جب ہم قرآن پیش کرتے ہیں تو ان کے پاس جواب نہیں ہوتا، اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی وجہ سے بات ماننے اور ساتھ دینے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ دشمنی پر ہڑتات ہیں۔ اب ایسی حالت میں اللہ پر قہر کی کیا ہے۔ کام نہیں چھوڑنا ہے۔ اگر مسجد کے لئے جگہ نہیں ملتی تو اپنے گھروں کو مراکز بنائیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیں، اطاعت کا کفر کریں اور شرک کرنے والوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں، اور دوست بنائیں اگرچہ قریب ترین رشتہ داری کیوں نہ ہو۔ دین کا کام جاری رکھیں حتیٰ کہ ہجرت کرنی پڑ جائے یا نکال دئے جائیں۔ اگر یہ کام اس انداز سے نہ کیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے ساتھ کئے جانے والے جنت کے بدلے جان و مال کے سوا سے میں ہم بچے نہیں ہیں۔

اس کے بعد کراچی کے سابق سلیمن عبداللہ اور منور سلطان صاحب نے معلوماتی مقابلہ کرایا۔ اس واقعہ میں انہوں کی سولت کے لئے نصاب (Syllabus) دے دیا گیا تھا۔ ایمان خالص قسط اول میں سے سوال کئے جانے تھے۔ چونکہ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے صوفیاء کے شرکانہ عقائد کو قرآن و حدیث کی روشنی میں رد کیا ہے اس لئے یہ پروگرام صاحبوں کی معلومات میں اضافے کا باعث بنا اور یہ بات علامہ ہو گئی کہ نہ صرف صغیر پھر پوری دنیا میں جو آج اللہ کے بندوں کو داعی و بھیجہ، مشکل کشا اور قوت و غیرہ سمجھ کر بدو کے لئے پکارا جا رہا ہے، چنے اور ذمہ لے جاتے جا رہے ہیں، عرض اور بیلے کئے جا رہے ہیں، ان میں ان لوگوں کا حصہ لیا جا رہا ہے۔

اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام تھا اس وقت فہم القرآن کے پروگرام میں ایک موضوع کی جانے تمام صوبوں کو مختلف موضوع دئے گئے تھے تاکہ ساتھیوں کو زیادہ سے زیادہ قرآن کا فہم حاصل ہو سکے کیونکہ آج نصف مسئلہ کے شرک کی اصل وجہ ہی قرآن و حدیث سے دوری ہے۔

پہلا موضوع سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۹: "لَنْ اُخْلِقَ عَبْدًا"

وہم یزیدون کے حوالے سے شہداء کی زندگی کے بارے میں فقہ مقررین نے جہت کیا کہ قرآن و حدیث کی اصل قطعی سے شہداء کی زندگی بڑی ہے۔ تمام شہداء اور انبیاء جنت میں زندہ ہیں نہ کہ ان قبروں میں۔ شہداء دنیا میں آخر قیامت کرنے کی خواہش کے باوجود اس دنیا میں وہیں نہیں آتے۔ اسی طرح جو لوگ نبی ﷺ کو جنت المرود میں ایک مقام "امویلہ" کے جانے دینے والی قبر میں زندہ سمجھتے ہیں سراسر غلطی پر ہیں۔ یہ لوگ نبی ﷺ کو اللہ کی صفت "الی" ہونے میں شریک سمجھا رہے ہیں۔ آج کوئی ایسی جماعت نہیں جو اس شرک سے خالی ہو۔

دوسرا موضوع سورۃ قمل کی آیت ۸۰: "اِنَّکُمْ لَا تُنْبِغُ الْقَبُوْنِ" کے تحت مردوں کے بننے کے بارے میں فقہاء جو آج امت میں اختلافی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ مقررین نے جہت کیا کہ یہ قرآن و حدیث کا محکم مسئلہ ہے کہ مردے نہیں بننے اور جو لوگ مردوں کے بننے کا عقیدہ رکھتے ہیں قرآن و حدیث کے کھلے انکاری ہیں اور مردوں کے بننے کا عقیدہ ہی تو شرک کی جڑ ہے۔ آج اگر کسی کو یہ خیال جائے کہ ہم جن کو بدو کے لئے پکار رہے ہیں یہ ہماری پکاریوں سے غافل ہیں تو کون کسی کو پکارے گا اور کون کسی کی خدمت و نیاز کرنے گا۔ بد قسمتی سے مردوں کے بننے کا عقیدہ تمام مسالک کی رگوں کا خون بن چکا ہے۔ اور جو انفرادی طور پر اس عقیدہ کا رد کرتے ہیں وہ بھی انہی لوگوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں جو مردوں کے بننے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ گویا طغوت کا کفر کرنے کے جانے طغوت پر ستون سے ہی چمٹے ہوئے ہیں اور اس طرح جانتے بوجھے یہ اپنی آخرت بیٹھ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔

تیسرا موضوع سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۶: "اُحْبِبُوْا ذُرِّیَّۃَکُمْ" اذا ذنن کے حوالے سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پکارنے والوں کی پکار کو مستجابے اور جواب دیتا ہے۔ مقررین نے قرآن و حدیث سے جہت کیا کہ غیر اللہ کو بدو کے لئے پکارنا بدترین قسم کا شرک ہے۔ یہ لوگ ان ہستیوں کو بدو کے لئے پکارتے ہیں حالانکہ یہ کبھی بھی نہیں دیکھتے ان کے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ کچھ لوگ اللہ کو تو پکارتے ہیں لیکن شرکانہ طریقے سے۔ جس طرح مشرکین کہ واسطے اور ویلے دیا کرتے تھے، آج یہ نام خداست مسئلہ بھی اللہ تعالیٰ کو اور امت نہیں پکارتی بلکہ انبیاء اور اولیاء کے واسطے اور حدتے دیتی ہے۔ یہ انداز صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شہید تو ہیں بھی ہے۔ غصب تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ذکریا صاحب نے تبلیغی نصاب "مورثہ اہل حدیثوں کے شاہ اسماعیل نے" تنقیہ الایمان" میں اس شرکانہ عقیدے کا جو اثر فہم کیا ہے۔

فہم القرآن کے اس پروگرام کے بعد صلوة الطہیرہ اور کھانے کا وقت ہوا اس کے بعد لاہور کے سابق خالد محمود جہاڑی نے جہت

حدیث پر تقریر کی اور قرآن سے جہت کیا کہ اطامعہ رسول ﷺ فرض ہے۔ قرآن مجید کی تشریح و تعلیم رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تھی۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیث علی و ابی ہریرہؓ برقی پر کتاب کے علاوہ بھی دینی کا زوال ہوتا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآنی اصطلاحات و واقعات کی تشریح حدیث کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ساتھیوں کو اس قدر سے بچے اور اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے جو انکام حدیث کی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔ یہ لوگ حقیقت میں معر قرآن ہیں۔ "طلوبہ اسلام" وغیرہ اعلیٰ کے رسائل ہیں۔

اس کے بعد ساتھیوں میں باہمی اتفاق ہوا اور پھر صلوة العصر کے بعد اختتامی کلمات ہوئے۔ کل پاکستان علماء کے ۴۰ نمائندہ اور شہر بھٹی صاحب نے سورۃ العصر کے حوالے سے نوجوان ساتھیوں کو بتایا کہ اگرچہ یہ قرآن کی مختصر سورہ ہے لیکن مضمون کے لحاظ سے علم کا ایک سمندر ہے۔ خدا سے اور نقصان سے بچنے کے لئے اس میں چار چیزیں یاد رکھنا چاہیے: ایمان خالص، عمل صالح، حق کی تبلیغ اور اس پر آنے والی آزمائشوں پر صبر۔ لیکن بیوے انفس کے ساتھ کنہ چاہیے کہ آج یہ امت عمل صالح بھی کرنے کی کوشش کرتی ہے، تبلیغ میں بھی مصروف ہے اور اس راستے میں کافی تکلیف اٹھا رہی ہے، لیکن پہلی چیز جو ان آخری تین چیزوں کو مؤثر یا غیر مؤثر بناتی ہے، یعنی "ایمان خالص" اس کی آج کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ دوسرے دو اصطلاحات ہوتے ہیں جن میں ساری باتیں ہوتی ہیں لیکن ایمان کی بات سے اس امت کے علماء کو اس قدر چڑ ہے کہ شرک کے خلاف ایک لفظ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلتا، حالانکہ امت مسئلہ کی اکثریت کے عقائد و اعمال شرک سے ہی طرحاں گھروہ ہیں اور موجودہ ظہری اور باہتی کی اصل وجہ شرک ہی ہے۔ اس کو کوئی بیان کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا اسے نبیایا جاسے اور کوشش کی جاتی ہے کہ شرک کے خلاف اٹھنے والی آواز کو دبا دیا جائے۔ اس میں ایک گروہ ہے جو بغیر ایمان کے شریعت نافذ کرنا چاہتا ہے اور دوسرے ظہر ایمان کے فضائل بیان کر رہا ہے، اور کوئی ہے جو شرک کرنے والوں کو جوار کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ حال ہے ان فریب نگاروں کا۔ اور جن کے پاس طاقت ہے وہ تاشائی بنے ہوئے ہیں۔ فہم تو یہ ہے کہ احساس زہدیں جا رہا ہے۔ پاکستان کا ایک بدو کاٹ دیا گیا ہے۔ اندر بھی انفرادی تقریر ہے اور باہر بھی انہیں دکھائی جا رہی ہیں اور اس ملک کے لیڈر ہیں کہ شرک کے مہ پرست بنے ہوئے ہیں۔ اس امت کی بد قسمتی کہ اس کو جتنی زیادہ شہ فی جس کی یہ بحث کہیں کہ وہ شرک کی تھاپ کشائی کر کے اسے منائے کی کوڑ لگائے۔ ایمان خالص کی دعوت اور شرک کا مشن تو ثابت قیامت ہی دینا کے سامنے لا سکتی ہے۔ نصف مسئلہ کی کتاب جانے کا راز اسی میں

مصر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی قدر کرنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

کل پاکستان سالانہ تربیتی اجتماع

مجلسی مطبعہ پر ہونے والے دورہ ذوالاجتماع عام ۱۴۰۶ھ اور ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو مسجد توحید و ذمہ جدیدہ (ضلع سرگودھا) میں ہوا، جس میں مختلف علاقوں سے ساتھی شریک ہوئے۔ ۲۶ اکتوبر بروز جمعہ صلوٰۃ النفر کے بعد سرگودھا کے عالم ماسٹر عید العزیز صاحب نے سورۃ النحر کے آخری رکوع کی ابتدا وہ آیات (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ... اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ) کے حوالے سے درس قرآن دیا۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز آذولکثیر کے امیر محمد آذولکثیر صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ الزمر کی لہذا آیات کے حوالے سے بیان کیا کہ جس ذی قوت اور دانا رب نے اس کتاب (قرآن مجید) کو حق کے ساتھ باطل فرمایا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بعد سے پورے اخلاص کے ساتھ نیکو ہو کر اس کی ہدایت اختیار کریں، اور شرک یعنی غیر کی ہدایت سے بیکمر الہتباب کریں۔ چنانچہ اس کی ہدایت کسی آزاد و شہ کلام نہیں سمجھائی کہ کو اسر و توانی کے ٹکادہ پاس سے مشروط ہے۔ وہ انسان کی نیت اور اس کے ارادوں سے پوری طرح واقف اور باخبر ہے۔ اس کے یہاں نیت و ارادے کے اخلاص کے ساتھ کیا جائے والا عمل ہی حسن عمل ہے۔ یعنی اس سلسلے میں ایمان و عقیدہ و پیروی حیثیت کا حامل ہے۔ انہوں نے سامعین کو اس بات کا احساس دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کی پیادہ درست کرنے کی توفیق سے نوازا ہے تو اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسی پیادہ پر ہمارے دین کی عمارت تعمیر کریں۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور مصحف رسول ﷺ سے حلق جوڑیں، ترجمتی پروگراموں میں شرکت کے ذریعے سیکھیں اور پھر اس پر عمل پیرا ہوں۔

افتتاحی کلمات کے بعد اصولی تجویہ پر جنی نظمیں پروگرام ہوا، جس میں مدرس کے فرائض رولپنڈی کے ساتھی علیہ الرحمن صاحب نے انعام دئے۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو تجویہ کے پیروی اصول سمجھائے اور پھر ان کی روشنی میں قرأت کی مشق بھی کرائی۔

تجوید کے بعد ضلع خانیوال کے عالم ماسٹر سر فراز احمد

صاحب نے سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۵ (قُلْ هُوَ الْقَائِدُ عَلٰی اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ) کے حوالے سے بھائی زبان میں تقریر کی۔ انہوں نے آیت مذکورہ کی وضاحت میں کتاب و سنت کے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی اور اس کے تمام تر لوازمات صیافرمانے کے بعد ہدایت کی کتاب پیش میں ڈالا ہے۔

بروز میں انبیاء عظیم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں سے استخفاف و تحقیر فی الارض کا وعدہ فرمایا، جبکہ سرکشی و بغاوت کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی، یہاں تک کہ انبیاء عظیم السلام کی مخالفت کرنے والے نافرمانوں کو دنیاویوں کی عبرت نگاہی کے لئے مختلف مذاہبوں کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ چنانچہ اپنی آخری کتاب میں گزشتہ اقوام کے احوال و واقعات کے حوالے سے اسی بات کو واضح کیا ہے کہ آخر کب تک بغاوت و نافرمانی کرو گے، وہ اللہ جو تم پر ہر طرح سے عذاب مسلط کرنے پر قادر ہے، اس کے عذاب کا کوئی ذمہ پر بھی نہیں کر رہے گا۔ انہوں نے اللہ کی بغاوت اور نافرمانی پر مبنی مختلف واقعات کو بیان کرتے ہوئے موجودہ دور میں امت کی زبوں حالی، پستی و مغلوبیت اور انتشار و انحراف کو عذاب الہی کے اسی تاثر میں پیش کیا۔

اس کے بعد سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳۳ (وَمَا نُنْعِدُ بِالْاَدْنٰى) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ.....) پر مبنی قسم القرآن کے پروگرام کے تحت ۲۰ منٹ دورانے کی چھ نقاد پر ہوئیں۔ مقررین نے قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں سے آیت مذکورہ کی تشریح کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ان نوجوان مقررین میں کارکردگی کے اعتبار سے کراچی کے عبدالروف، نوشہری صوبہ سرحد کے مسٹر شاہ اور فیصل آباد کے راجت کی نقاد پر گویا وہ بہتر قرار دیا گیا۔

قسم القرآن کے بعد عرفی تعلیم کا پروگرام ہوا، جس میں کراچی کے ساتھی منور سلطان صاحب نے مدرس کے فرائض انعام دیتے ہوئے شرکاء اجتماع کو معظم عرفی حصہ اول کے بعض اسباق کا اعادہ کرایا اور عرفی قواعد کی تعلیم دی۔

صلوٰۃ النفر کے بعد اکثر عمر خطاب صاحب نے سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۳۹ (يَا صَالِحِي الصِّبْخِ اَزْبَانِيَا مُتَّقُوا فَوْقَ خَيْرِ اَمِ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) کی روشنی میں تقریر کی۔ انہوں نے سورۃ یوسف کا اس کے پس منظر

اور پیش منظر کے حوالے سے جائزہ لیتے ہوئے بیان کیا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے قیل کے ساتھیوں کے خیالوں کی تعبیر (جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم دی تھی) بتانے سے قبل ان کو جو خطبہ دیا وہ اسی وجہ پر مشتمل تھا جو تمام انبیاء عظیم السلام نے اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کی کہ اللہ کی ہدایت اختیار کرو اور تمام خود ساختہ ایمان باطلہ کو مسترد کر دو کہ ان کی اللہ وعدہ لاشریک کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ انہوں نے کتاب و سنت کے حوالوں سے انبیاء عظیم السلام کی دعوت کے مقابلے میں زمین پر برائیاں باطل خدا انہوں اور انسانوں کے خود ساختہ سہیوں کی تفسیلات بیان کرتے ہوئے انسانیت کے اس اللہ کے کو واضح کیا کہ وہ اللہ وعدہ لاشریک کی عمارت کی جتنی بھی جتنی کے مقابلے میں ان کو دور دورے ساروں کو قہاقت ہوئے ہے۔

صلوٰۃ العشاء اور کھانے کے بعد امیر عظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دئے۔ سوال و جواب کا یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔

۲۷ اکتوبر بروز منگل صلوٰۃ النفر کے بعد پنجاب کے امیر عظیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۶ پر مشتمل درس قرآن دیا۔ انہوں نے مذکورہ آیت کی تشریح میں قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں سے سورۃ البقرہ کے مرکزی مضمون اتفاق فی سبیل اللہ اور صلہ کریم کے اعادہ کی، آخرت کے بارے میں فکر مندی، اللہ کی راہ میں قربانیوں اور آزمائشوں پر صبر و ہمت پر مشتمل، ان کی زندگیوں کے احوال سے مؤثر انداز میں بیان کئے اور بتایا کہ قرآن و سنت کی تعلیمات اور ان صادق الامان ہستیوں کے واقعات میں ہر دور کے اہل ایمان کے لئے سبق ہے، جو ایمان کا حذر و تحفظ کے بعد آخرت کی کامیابی کے لئے سرگرم عمل رہے اور ان راہ کی بے پناہ مشکلات اور قربانیوں پر دل برداشتہ نہیں ہوتے بچہ استقامت کے ساتھ جتے رہے۔ ان کے دل اللہ کی یاد سے لرز جاتے تھے۔ گویا اللہ سے ڈرنے والے، اللہ کے حکم کے سامنے موم ہو چکے تھے۔

اشراف اور دانش کے وقفے کے بعد رولپنڈی (دولہ) کے ساتھی محمد اعظم خان صاحب نے سورۃ النور کی آیت نمبر ۵۵ (اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرُسُلِهِ...) کے حوالے سے کج و فساد کے موضوع پر تقریر کی، اور کتاب و سنت کے حوالوں سے کج خلقیہ انہم

ضبط کی اہمیت اور اس سلسلے میں اہل ایمان کی ذمہ داریوں کو واضح کیا۔

اس کے بعد دعوت الی اللہ کے سلسلے میں چندہ منہ دور اسے پر مشتمل پانچ تقاریر ہوئیں، جن کے اختتام پر اس حوالے سے ساتھیوں کی اصلاح کے لئے ضروری ہدایات دی گئیں کہ اللہ کے دین کی دعوت پیش کرنے کے لئے کیا انداز ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں کتاب و سنت کی تعلیمات سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

دعوت الی اللہ کی تقاریر کے بعد اصول حدیث کے سلسلے میں تعلیمی پروگرام ہوا جس میں مردان (موجبہ سرحد) کے نوجوان ساتھی نور اللہ نے مدرسے کے فرائض انجام دیتے ہوئے سامعین کو اصول حدیث کی بنیادی اصطلاحات سے روشناس کر لیا۔

۱۲ اکتوبر کو صلوٰۃ الطہر سے قبل اس دوروزہ اجتماع کے اختتام پر امیر عظیم نے سورۃ الکہف کے دوسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے اپنے اختتامی کلمات کے دوران سب سے پہلے رب کائنات کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہم سب کو بڑی قدر میں اس سالانہ اجتماع میں شرکت کی توفیق بخشی، ساتھیوں نے بوری توجہ اور دلچسپی سے اس میں حصہ لیا اور نظم و ضبط کو برقرار رکھا۔ پھر میزبان اور مقامی ساتھیوں کی محنت اور انتہک کوششوں کو سراہا اور دعائیہ کلمات کے ساتھ ان کی کارکردگی کی تحسین کی کہ گزشتہ سالوں کے مقابلے میں شرکاء اجتماع کی کہیں بڑی تعداد کے باوجود ان کی تمام ضروریات پوری نہیں ہو سکیں اور جذبہ غلو، ایمان کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا۔ اس طرح وہ پورے عزم کے ساتھ مرحوم بزرگ ساتھی اللہ یاد علیہ سے کئے گئے وعدے کو بڑی جانفشانی سے نبھا رہے ہیں، جو حقنامہ حرم کے لئے صدقہ جاریہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے اللہ کے یہاں بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔

اس کے بعد انہوں نے سورۃ الکہف کی تلاوت کردہ آیات کی روشنی میں شرکاء اجتماع کو اللہ کے دین کی دعوت کے تعلق سے ان کی ذمہ داریوں کا احسان دلایا کہ آپ کو اندازہ ہوتا چاہیے کہ یہ مشن کتنا اہم ہے، آخرت کی کامیابی کے لئے اس تحریک کی کیا اہمیت ہے اور اخلاص کے ساتھ اس مشن کا ساتھ دینے والوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح حوصلے اور ہمت سے نوازتا ہے کہ بڑی سے بڑی قربانی دینا ان کے

لئے آسان ہو جاتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حق و باطل کی تکلیف نازل سے چاری ہے۔ ہر دور میں جوں مردوں نے ہی انہماک عظیم السلام کی دعوت کا ساتھ دیا ہے۔ اصحاب کف بھی ایسے ہی جوں ہمت نوجوانوں پر مشتمل تھے جنہوں نے قوم کی گمراہی اور اس کی سرپرستی کرنے والے اقتدار کے خلاف قوا و طاقتوں اور شہادت حق کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، رب کائنات پر اپنے ایمان کا اعلان کیا، جس طرح صاحب یحییٰ نے کیا تھا اور اپنے مفادات اور مستقبل کی پرواہ کئے بغیر راہ حق میں بے رہے۔ آج بھی اللہ کا دین جوں باقی کا قضا کر رہا ہے۔ یہ مالک کا احسان ہے کہ اس نے اس اجتماعیت کے ساتھ شملک ہونے کی توفیق بخشی جو اس مشن کو لے کر اٹھی ہے، جس کا آغاز ماضی قریب میں ایک جوں ہمت باز سے (ڈاکٹر عثمانی) نے اللہ کی توفیق سے کیا۔

ہمارے یہ اجتماعات اور تہنیتی پروگرام اسی کام کی تیاری کے سلسلے میں ہو رہے ہیں، تاکہ ہماری تعلیم و تربیت کا انتظام ہونا یکن میں، اس انداز سے سیرت و کردار کی تعمیر ہو جو اس راہ کی تقویت اور نظم و ضبط سے ہم آہنگ ہو، اس راہ کے مطلوبہ افراد پیدا ہوں جن کے اندر وہ ذوق و شوق اور احساس و جذبہ پروانا چڑھے جس کا نقشہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث میں صحابہ کرام کے کردار سے جھلکتا ہے۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو ایسے اجتماعات میں تمام پروگراموں سے بھرپور استفادے کے جذبے سے شرکت کرنے اور پھر اس کام کو آگے بھیلانے کی تلقین کی۔ یہ پروگرام سیر و تفریح کرنے والوں کے لئے ضمیمہ اخلاص کے ساتھ دلچسپی لینے والوں کے لئے ہیں جو نظم و ضبط کے پابند ہوں اور اس مشن کا صحیح معنوں میں ساتھ دینے کا عزم و ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان حقیر کوششوں کو بارگاہ نور فرمائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

امریکہ میں تیسری

سالانہ توحید کانفرنس

ریاستائے متحدہ امریکہ میں "توحید کانفرنس" کے نام سے تیسرا اجتماع اس سال (۱۹۹۵ء) ۱۳ اور ۱۵ اگست دو جمعہ و ہفتہ قوریلہ کے مشہور شرمیائی میں منعقد ہوا۔ اس مقصد کے لئے میانی انزہارٹ کے نزدیک ایک ہوٹل میں مناسب انتظام کیا گیا تھا۔ اس اجتماع میں قوریلہ کے علاوہ ٹیکساس، انڈیانا اور کنیڈا کے ساتھیوں نے شرکت کی۔ میانی

کے ساتھیوں نے اجتماع کے سلسلے میں عمدہ انتظامات کر کے میزبانی کا حق ادا کیا۔ اس وفد اجتماع کا جملہ پروگرام ایک ہی عنوان "ایمان اور اس کے تقاضے" کے تحت ترتیب دیا گیا۔ اجتماع کا آغاز صلوٰۃ الجمعد سے ہوا جس میں خطبات و امامت کے فرائض انڈیانا کے ساتھی حسین خالد صاحب نے انجام دیے۔ پروگرام کے مطابق صلوٰۃ الجمعد کی اداغلی اور طعام کے بعد پہلی تقریر بھی حسین خالد صاحب ہی کی تھی۔ انہوں نے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۵۵ (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ) کے حوالے سے بیان کیا کہ ایمان کے دعویدار تو دنیا میں بہت پائے جاتے ہیں لیکن اللہ کی کتاب کے مطابق صرف وہی لوگ اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہیں اور عقائد ہی کا ایمان اللہ کے نزدیک معجز ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی شک و ارتباب کا شکار نہ رہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایمان کا حصول اور استقامت سے اس پر بھروسہ اختیار کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دیکھیں اس کا عملی تقاضا پورا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایمان لانے والوں کو اس راہ میں سب سے پہلے ذہنی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ آزمائش وہ علمی و فکریاں اور نام نہاد دیرینہ ہوتی ہے جو مولوی اور جبر پر دور میں انت سے طریقوں سے ایمان خالص کے مقابلے میں لے کر آتے ہیں اور اس وقت یہ ذہنی آزمائش جان و مال کی آزمائشوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ "ریسرچ" ایمانداروں کو ذہنی طور پر ستر نزل کر دیتی ہے اور وہ اس شک میں مبتلا ہو جاتا کرتے ہیں کہ ان کا ایمان درست ہے یا یہ "نئی دیرینہ"۔ انہوں نے کتاب و سنت کے حوالوں سے واضح کیا کہ سچے ایماندار ان تمام آزمائشوں سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں اور اپنی منزل یعنی جنت کی لازوال بادشاہی کے حصول کی طرف اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔

پروگرام کے مطابق دوسری تقریر کنیڈا کے ساتھی مصباح الدین صاحب کی تھی جنہوں نے سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر ۱۰۲ کے تحت بیان کیا کہ ایمان لانے والوں کو اللہ کی کتاب میں دنیا و آخرت کی کامیابیوں کی بھارت دی گئی ہے، اپنے ایمان کا

مقام اس طرح ہوا کرتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے مامور شدہ فرشتوں کو باقاعدگی اور دوقی و شوق سے ادا کرتے ہیں۔ اپنی عبادت میں سجدہ کی اور خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں۔ ان کی شہادت اور اہم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اتفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے حصول کے طالب رہتے ہیں۔ فواجش و عسکرات سے اہتمام کرتے ہیں اور اپنے آپ کو لایعنی، لغو اور بے وقوفی سے بچاتے ہیں اور اس سلسلے میں اللہ کی حدود کی پاسداری کرتے ہیں، سیرت و کردار کو اپنے ایمان اور کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق استوار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کی کتاب ان ہی ہے اور کھربے کردار کے حاملین کو لازماً وال جنتوں کا وارث قرار دیتی ہے۔

صلوٰۃ العصر کے بعد مہمانی (ظہر یا) کے ساتھی ارشد ظہر صاحب نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۰۳ (.....إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا) کے عنوان سے تقریر کی اور قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں سے صلوٰۃ کی اہمیت اور اس سے متعلق مسائل و احکامات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ صلوٰۃ جتنی اہم عبادت کو ہر مصلحت ماننے کے لئے پوری شرف و لوگوں کی عبادت کے ساتھ لایا گیا ہے اور اسے ہر عقیدہ اور پیشہ ورانہ کے پیچھے پڑھ کر ضائع ہونے سے بچانا چاہئے۔ ارشد ظہر صاحب کی تقریر مقرب تک جاری رہی۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا جو کھانے کے دوران بھی جاری رہا۔ بعد ازاں صلوٰۃ العشاء کی روانگی کے ساتھ ہی پہلے دن کا پروگرام اختتام پزیر ہوا۔

۱۵ اگست بروز ہفتہ صلوٰۃ الفجر کے بعد کنیڈا کے ساتھی زہد صاحب نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیت الہی آیات پر مشتمل دوسری قرآن و حدیث انہوں نے قیامت کو کورہ کی روشنی میں بیان کیا کہ اللہ کی کتاب تخلیق کا حکمت پر غور و فکر کرنے والوں کو لو الہ الاہب یعنی عقل والے یا ہوشمند قرار دیتی ہے۔ اس طرح جو لوگ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کے اندر پائی جانے والی نشانیوں پر غور و فکر کے لئے دل و دماغ کی صلاحیتیں استعمال کرتے ہیں انہیں حقائق کو سمجھنے کے لئے رہنمائی سے نوازا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے اعتراف کے طور پر وہ مبراہت پکار اٹھتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْنَا هَذَا بَعْلًا (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب ہم پر

بے قصد نہیں پیدا کیا) ایسے ہی لوگوں کو ایضاً ہدایت کی پکار پر اٹھانے کی کوشش ملتی ہے جو اپنے اہم کے بارے میں غور مند اور اپنے رب کی پکار کے احساس سے لرزنا و ترسنا رہتے ہیں۔ یہ اپنے لوگوں اللہ کے ذکر اور اس کی ہدایت میں لگاتے ہیں اور ہمیشہ اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کے یہاں بھی لوگ کا مہمان و کامران ہیں، حالانکہ دنیا میں ان کو راحت و آرام سے محروم کیا جاتا ہے۔ اللہ کی رولا میں ان کو ایذا نہیں دی جاتی ہیں اور اپنے گھروں سے دہر دیکھا جاتا ہے، مگر آخرت میں ان کے لئے جنتوں کا وعدہ ہے جو ان آدمیوں کا بھرپور پھل ہے۔

ناشتے کے وقفے کے بعد شکاگو کے ساتھی محمد یونس صاحب کی تقریر حق جان کی غیر موجودگی میں حسین خالد صاحب نے کی۔ اس تقریر کا عنوان سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۴۵ تھی۔ چنانچہ کتاب و سنت کے حوالوں کی روشنی میں اتفاق فی سبیل اللہ کے اس موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے انہوں نے بیان کیا کہ مجلس ایمان اور ربی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے اہم مال بھی اس کی رولا میں لگاتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق وہی مال فی الحقیقت انسان کا پتلا ہے جسے وہ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی میں اپنے آپ پر اپنے اہل و عیال پر اور اللہ کی رولا میں خرچ کرتا ہے، اس کے علاوہ باقی بچنے والا مال تو داروں کا ہے جس سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ کی کتاب اتفاق فی سبیل اللہ کو قرقر حنت سے تعبیر کرتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ بوجہ سچا حاکم و دہش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے مومن بندوں کو سات سو گنا تک اس کے اجر کی صورت میں ملے گا۔

اس کے بعد مسلسل چار گھنٹہ مہمانی (ظہر یا) کے ساتھیوں نے کیں۔ اس سلسلے کی پہلی تقریر عارف ذرین صاحب کی تھی۔ انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۴ تا ۳۰ کی روشنی میں اللہ کے مومن و متقی بندوں سے مہربانیت نفس کی طرف سے دیا اور ان کا مولانا کرتے ہوئے بیان کیا کہ لوگوں کی اکثریت دنیا میں ذل و ذر، زمین اور اس طرح کی دوسری مہربانیت کے پیچھے لگی رہتی ہے۔ ان کی تمام تر سعی و جدد اور دودھ و دھوپ انہی کے لئے مخصوص ہوتی ہے، جب کہ اللہ کے متقی بندے اپنی لگائیں دنیا کی عارضی زندگی اور ان کے لئے اللہ کے مقابلے میں آخرت کی دائمی زندگی اور

اس کی سرمدی نعمتوں پر رکھتے ہیں، جو مہربانیت نفس کی محبت کے مقابلے میں اپنے رب کی رضا و خوشنودی اور اس کی رحمت و مغفرت کے طلبگار ہوتے ہیں۔

دوسری تقریر میں محمد فہیم صاحب نے سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کے حوالے سے انسانوں کے دو گروہوں کا تقابل پیش کیا۔ پہلا گروہ متقین کا جو اللہ کی لایعنی کتاب سے ہدایت حاصل کرنے والا ہے، ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دنیا کی زندگی میں محتاط و دوش اختیار کرنے والے ہیں، اللہ پر غائبانہ ایمان لانے کے بعد ہر لحاظ سے اس کا تقاضا پورا کرنے والے اور اس طرح دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔ جب کہ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو اللہ و سرگشتی کی روش پر قائم ہیں اور کسی طرح بھی بات ماننے جتنی ایمان لانے پر تیار نہیں۔ انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو اپنی خواہشات نفسیہ کے تابع کر کے قبول حق کے لئے باکراہہ پایا ہے جس کی وجہ سے یہ اللہ کے خطاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

تیسری تقریر محمد ہادی صاحب نے کی۔ انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں سورۃ النساء کی آیت ۳۶ تا ۳۹ کی روشنی میں ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے پورے کرنے یعنی جان و مال کے حوالے سے اللہ کی ہدایت کے حق اور معاشرتی زندگی کے حوالے سے ایمانداروں کے فراموش اور وعدہ داریوں کو واضح کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے والدین، قرابت دہروں، قبیلوں، مسکینوں، یتیموں، مسافروں اور معاشرے کے دوسرے مستحق افراد سے اچھا سلوک کریں اور ان کے حقوق پوری طرح ادا کریں۔

اس سلسلے کی چوتھی تقریر عرفان اسلم صاحب نے کی۔ انہوں نے انگریزی زبان میں سورۃ العصر کا مضموم بیان کیا کہ تیزی سے گزرتا ہوا زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ کھانا انسانیت خدا سے دوچار ہونے والا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو صحیح معنوں میں ایمان لانے کو ایمان کے مطابق انہوں نے اپنے اعمال کو سنبھالا، اللہ کے دین کی دعوت دی اور ان دلوں میں آنے والی مشکلات اور آزمائشوں کو ختم و پیشانی سے برداشت کیا۔ اس سلسلہ تقاریر کے آخر میں

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

ترتیب: انیس الدین

سوال: جو لوگ آپ کے ساتھ شامل نہیں ہیں کیا وہ دائرۃ اسلام میں داخل ہیں کہ نہیں؟

جواب: جو لوگ ہمارے ساتھ شامل نہیں اگر ان کا ایمان صحیح ہے، ان کا عقیدہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور وہ قرآن کے لوہے پلے ہیں تو وہ بالکل مومن ہیں، لیکن آج کی زندگی میں ضروری ہے کہ دین کا وہی پیمانہ ہو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا جو اللہ کی کتاب بیان کرتی ہے کہ ایمان لائیں اور ایمان کے رنگ میں رنگ کر دین کی صحیح دعوت دیں۔ اس دعوت میں وہی چیز ہو جو پیغمبروں کی دعوت میں تھی: اَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے دور ہو جاؤ) یعنی دعوت کی یہ اصل چٹا ہو کہ اللہ کے بندے بن جاؤ اور اس کی بندگی کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ طاغوت کی بات ماننے کے جانے اس کا کفر کر کے اس کے دشمن بن جاؤ۔ اس دعوت کی حامل اگر کوئی جماعت ہے جو ایمان کے سارے تقاضے پورے کر رہی ہے تو وہ ہمارے ساتھ مل جائے یا ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم خود اس سے ملنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ابھی تک تو ایسی جماعت معلوم نہیں ہو سکی ہے بلکہ سب کے سب اللہ کے دشمن اور طاغوت کے پیچھے نظر آتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے ملنے کی جگہ ان کو بھی طاغوت کا ہمدرد سمجھتے ہیں، کافر اس لئے مانتے ہیں کہ مالک فرماتا ہے: وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ جو طاغوت کو اپنا دوا مانے یا رہنا چاہے اور اس کو وہ ست مانے تو اللہ ان پر کافر ہونے کا فتویٰ لگاتا ہے۔ ہماری اس سرزمین پر آج جو لوگ پائے جاتے ہیں جو کہ ایمان کے دعوے دار بھی ہیں ان میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جہاں آپ کو کسی نہ کسی جماعت

سے منسوب کرتا ہو۔ آپ کے سامنے ان جماعتوں کے سارے عقائد آچکے ہیں، ان میں کوئی بھی مومن نہیں۔ ہاں اگر کوئی گروہ ایسا ملتا ہے جو قرآن و حدیث کے مطابق ایمان لاتا ہے، طاغوت کا کفر کرتا ہے تو وہ ہمارے سر کا تاج ہے ہم اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلیں گے اور موقع آیا تو رکاب ہاتھ میں لے کر چلیں گے، مگر اس وقت کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آ رہی جو اس انداز سے دین کا کام کر رہی ہو۔

سوال: اللہ اپنے نبی پر کس طرح درود بھیجتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: عربی زبان و لہجہ کے لحاظ سے ایک ہی بات جو ہمارے کے لئے بھی آئے اور اللہ کے لئے بھی تو دونوں کے معنوں میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا کہ میرے بندو اللہ کی طرف پلٹو اس سے توبہ کرو اپنی غلطیوں کا اظہار کرو عداوت اور شرمندگی کے ساتھ، اس مالک سے وعدہ کرو کہ اس کام کو میں نے چھوڑ دیا ہے، اس کام کو دوبارہ نہ کروں گا۔ انشاء اللہ۔ یہ وہ توبہ ہے جو ہم سے کے لئے ہے اور سورۃ البقرہ میں ہے کہ اِنَّ هُوَ التَّوْبَاتِ الرَّحِيمِ تم تو صرف توبہ کرتے ہو وہ توبہ اسلوب ہے، بہت توبہ کرنے والا ہے۔ تو دیکھنا یہ لفظ اللہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور اللہ کے بندوں کے لئے بھی، مگر معنوں میں کتنا فرق ہے۔ وعدہ اپنے کئے پر قائم ہوتا ہے، احزاب گناہ کرتے اور اللہ سے معافی مانگتا ہے، اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، اللہ کا توبہ قبول کرنا ہی اس کا "توبہ" ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۃ الاحزاب کی آیت کا معاملہ ہے: اِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہی پر دعا بھیجتے ہیں یا اِنَّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اے مومنو! تم بھی

نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ تو یہاں بھی عربی کا وہی قاعدہ ہے کہ مالک بھی اللہ کے بندے ہیں اور مومنین بھی۔ جب یہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى شَخْصٍ اے اللہ محمد پر رحمتوں کی بارش کر سکتے ہیں تو یہ توحید کے متعلق اور شرک کے دوش میں دوشی دلیل ہے کیوں کہ اہل کتاب یہودیوں نے عزیمت علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر شرک کیا ہے۔ یہ دعا کعب بن جراح اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما وغیرہ کی احادیث میں کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ آئی ہے۔ تو بتاؤ کہ اے مومنو! نبی کے لئے ہم سے رحمت کی دعا کرو اور فرشتے بھی دعا کرتے ہیں اور جب ہم دعا کرتے ہیں کہ مالک محمد ﷺ پر رحمت فرما تو اس سے فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ نبی ﷺ اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ اگر وہ اللہ کے ساتھ ساجھی ہوتے تو ان کو رحمت کی کیا پروا ہوتی۔ ہم جو ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے بندہ گندے اور گڑبہ نبی تھے وہ بھی اللہ کی رحمت کے مستحق اور محتاج ہیں۔ اور جو اللہ کے لئے آیا ہے: اِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب فرشتے اور مومنین دعا کریں گے تو اللہ تساری اس دعا کو قبول کرے گا اور ان پر رحمتوں کی بے شمار بارش دے گا۔ اسی سورۃ الاحزاب کی ایک دوسری آیت ہے: هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ "مومنو! اللہ ہی ہے جو تمہارے اوپر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تمہارے اوپر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ یہاں بھی وہی معنی ہیں کہ جب ایمان والے اللہ کی راہ میں جو نہیں کھاتے ہیں تو فرشتے ان کیلئے اللہ سے دعائیں کرتے ہیں کہ مالک ان پر رحمتوں کی بارش دے۔ اے اللہ! لِيُنْخِرَ جَنَّتُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ کسی جہنم کی میں پھنس چائیں تو مالک انہیں نور کی طرف لے

آر تو اللہ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور اپنے ان بندوں پر رحمت نازل فرماتا ہے۔ اب دیکھئے اللہ اور اس کے فرشتوں کا اللہ کے نبی پر صلوٰۃ بھیجئے کا مضمون ہے تو یہی بات سارے مومنوں کیلئے بھی ہے۔ اللہ کے نبی اور تمام مومنوں پر صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہی ہیں کہ جب مدد اللہ سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے یا اور ان پر رحمت فرماتا ہے۔

سوال: یعنی علیہ السلام کے رفع اور نزول کے متعلق قرآن میں اور یہ بھی جائیں کہ وہ کس جہت سے آئیجئے کہیں کہ بلور نبی تو وہ آئیں گے؟

جواب: قرآن میں سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء وغیرہ میں یعنی علیہ السلام کے معاملے کا ذکر ہے۔ قرآن میں ہے کہ اِنَّا اَنْزَلْنَا الْبَيِّنَاتِ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ عَلَيْهِمْ "قرآن جو ہم نے آپ پر اتارا ہے تو آپ کی دوسری ہے کہ آپ دنیاویوں کے سامنے اس کی تشریح و تفسیر کر دیں اور اس کے جو معنی ہیں اس کی تمہین کر دیں۔" قرآن میں یعنی علیہ السلام کا ذکر ہے اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے۔ قرآن میں مالک یودیوں کی شرارت پر پکڑ کرتا ہے: وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ وَرِزْوَانَهُمْ عَلَىٰ مَرْزُوْمٍ نَهْنَانَا عَطِيْمًا فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے یودیوں کے دے دے بلائے علماء جو حق کو جانتے ہیں لیکن اسے قبول نہیں کرینگے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتابوں کو ریت اور انجیل کا کفر کیا، اللہ نے اپنی کتابوں میں اپنی مدد کی سرحد کی پاک وامحی کو واضح کیا لیکن ظالموں نے اس سے پہلے بھی میری کی پیدائش پر ہتان طرزی کی۔ اس کو اللہ نے بہتان عظیم قرار دیا ہے اور ان کی پاک وامحی کو واضح کیا ہے جو قیامت تک عداوت کی جاتی رہے گی کہ وہ کٹوری عاقبت تھیں۔ دوسری بات یہ کہ ان کا کہنا کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ انہوں نے پوری کوشش کر کے غلطی و بغاوت پر بھارتے کے الزامات لگا کر رومی گورنر کے ذریعہ پچاسی کا حکم لگوا پھر دے غر سے اعلان کیا کہ ہم نے سریم کے بیٹے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور یہ بھی کہا کہ عیسیٰ ابن مریم کو ہم رسول اللہ مانتے ہیں چونکہ انہوں نے ہمارے خلاف اپنی زبان مدھ میں کی اس لئے ہم نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ لہذا ہوشیار ہو جاؤ ہمارے کسی معاملے میں دخل نہیں دینا۔ مالک اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ اَنْسُوْلَ نے ان کو ہرگز قتل نہیں کیا۔ ان

کے قتل کی بات جھوٹ اور افتراء ہے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ اور جو عیسائی کہتے ہیں کہ انہیں صلیب پر چڑھایا گیا ہے اس طرح سے وہ اپنے ماننے والوں کے لئے کفارہ بن گئے ہیں یہ بات بھی بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ یہ دونوں گروہ عالم ہیں۔ وَلٰكِنْ شَهِدْنَا لَهُمْ اَصْلَ بَاتِ یہ کہ اللہ نے اپنی حیثیت کو پورا کرنے کیلئے ایسے حالات پیدا کر دئے کہ معاملہ مشتہر ہو گیا۔ اس طرح یودیوں اور عیسائیوں دونوں میں سے کسی کو بھی صحیح یا بد معلوم نہیں، محض علم سے کام لے۔ ہے یہ۔

وَإِنَّ الَّذِينَ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ... وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا فرمایا کہ ان دونوں گروہوں کے پاس کوئی حقیقی بات نہیں، نہ ان کے پاس حق ہے، یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا یا صلیب دے دی گئی، جی بات یہ ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا وہ انہیں قتل نہیں کر پائے ہیں بلکہ رَفَعَهُ اللّٰهُ بِيَدِهِ اللّٰہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ یہ واقعہ چونکہ کائنات میں ایک ہی دفعہ واقع ہوا ہے اس وجہ سے لوگ اس میں شک کریں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی بات کو جھٹلانے کے لئے دیکھیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی کو زندہ اٹھالے۔ تو مالک فرماتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اللہ کو پورا اختیار ہے جو چاہے کر سکتا ہے، اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے، وہ نہایت زبردست اور حکمت والا ہے، اس نے اسی میں حکمت رکھی اور عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا وَإِنَّ جِبْنَ اَهْلَ الْكِتَابِ اور نہیں ہے ان اہل کتاب میں سے کوئی اِلَّا الْيُودِيْنَ یہ قتل ہوئے۔ مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا کیونکہ موت تو ان کو ہر حال آتی ہی ہے۔ جنہوں نے ان کا افواہ جانا جھوٹ سمجھا تو وہ بھی یقین لے آئیجئے اور جنہوں نے ان کا قتل کیا جانا جی سمجھا تو وہ بھی اور جنہوں نے یہ سمجھا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم صلیب پر جان دے کر ان کا کفارہ بن گئے وہ سب یقین لے آئیں گے کہ ہماری بات غلط اور جھوٹی تھی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اٹھالیا تھا، اب واپس آگئے ہیں۔ اور ہماری مسلم کی حدیث میں اور ہر پر بیان فرماتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی کہ اس سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل، امت کے امام بن کر آئیجئے اور اس کے بعد دنیا سے کفر و شرک چھوڑ دیا جائے گا، کوئی کافر و شرک باقی نہیں ہوگا واپس لے لئے جزیہ فتح کر دیجئے، جب کافر ہی میں تو جزیہ کس سے لیا جائے، سب مومن ہونگے جو

ایمان نہیں لائیں گے تو وہ قتل کر دئے جائیجئے، صلیب موجود نہیں ہوگی، کیوں کہ عیسائیوں کا زور ختم ہو چکا ہوگا، ان کو دیکھئے کہ اب سب ایمان لے آئیجئے یا جو ایمان نہیں لائیجئے وہ قتل کئے جائیجئے ہوں گے، خیر لہذا چھوڑ جائے گا، اس زمانے میں ایمان کی ایسی قدر و قیمت ہوگی کہ اگر ایک ایماندار سے کہا جائے کہ بیت المال اور حارہ اخراج لے جاؤ تو وہ کہے گا کہ میری نگاہ میں اس کی حیثیت اس جہے سے بھی کم ہے، جو میں اللہ کی یاد میں کر رہا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ یہ روایت لاکر بتاؤ یا کہ اس آیت وَإِنَّ جِبْنَ اَهْلَ الْكِتَابِ مَوْتُوْهُ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام امیر و منصف کی حیثیت سے پھر آئیں گے۔ عیسیٰ کا جو ممدی معتبر ہے وہ نہیں ہوگا۔ ہماری کی دوسری حدیث میں اور مسلم میں بھی ہے کہ مسلمانوں کا امیر ساری دنیا جیج کر چکا ہوگا، اور وہاں باقی رہ گیا ہوگا۔

مسلمانوں کا امیر عیسائیوں کی آخری طاقت کو توڑے گا۔ مزید بتایا گیا کہ ایک ایسا شہر ہے جو آدھا خشکی کے اندر ہے اور آدھا پانی کے اندر۔ قطعاً اس کا نام ہے جو آج خشکی میں ہے۔ اس کے اوپر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان آخری معرکہ ہوگا اور اس میں مسلمان کوئی اسلحہ استعمال نہیں کریں گے، صرف تین نفرے ہوں گے: اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ ایک نفرے سے ایک طرف جو ان کے معبود ہیں وہ برباد ہو جائیں گے اور دوسرے نفرے سے دوسری طرف اور تیسرے نفرے سے شکست ہو جائے گی۔ اور مسلمان بڑا فی سبیل اللہ کے بعد مال قیمت جمع کر رہے ہونگے اور انہوں نے اپنے وہ اسلحہ ہتھیائے ہوں گے جنہیں استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا، کہ اس میں یہ خیر لہذا چاہیجئے کہ شام میں دجال کا وقتہ جس کے متعلق نبی علیہ السلام نے بتایا تھا کہ اٹھے گا، اور اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کو اس وقتہ سے آگاہ کیا تھا، وہ دجال کا وقتہ سر اٹھا چکا ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال کے مصلیٰ کی قبر بن کر یہ لوگ سب کچھ یعنی مال قیمت چھوڑ کر واپس لوٹیں گے کیوں کہ اب ایمان پر معاملہ ہے۔ پہنچنے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ خیر غلط تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد دجال کا حمل ہوگا اور یہ مسلمان اس کے مقابلے کے لئے اپنے امیر کی سالاری میں مقابلہ کرنے کے لئے اجتماعات کر رہے ہونگے کہ صلوٰۃ کا وقت آجائے گا ایک جماعت کھڑی کی جائے گی تو اسے

میں وہی جو حدیث میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرقی کنارے سے دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ ایسا معلوم ہو گا کہ دیناس سے نما کر ابھی نکلے ہیں۔ دیناس کہتے ہیں حمام کو۔ ان کے بالوں سے موتیوں کی طرح قطرے ٹپک رہے ہونگے۔ مسلمانوں کا امیر بچان کر ان سے کہے گا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، واپس آئے ہیں تو میرے جانے آپ امامت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ ہمیں بصرہ تم کو زیادہ حق ہے تو پہلی امامت وہی کرانے لگا۔ ان کا یہ کہنا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ میں نبی شریعت لے کر نہیں آیا، نبی ضرور ہوں کیونکہ نبوت عیسیٰ نہیں تھی، زندہ ہوں، وفات بھی نہیں ہوئی ہے، لیکن میں آخری نبی کی شریعت کا تابع ہو کر آیا ہوں اس لئے پہلی صلوٰۃ مسلمانوں کے امیر کے پیچھے پڑھیں گے، اور اس کے بعد سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ پھر دجال کے ساتھ جنگ کریں گے اور اس کو قتل کریں گے۔ عساری و مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ ایسی جنگ ہوگی کہ اس میں دجال مارا جائے گا، اور اس کے جو ساتھی ہونگے جن میں ستر ہزار امیر ان کے شر اصناف کے یہودی ہوں گے۔ قہقہے کھانے کے بعد یہ لشکر پیٹھ کے لئے درختوں اور پتھروں کے پیچھے چھپیں گے تو ہر درخت اور ہر پتھر پکار اٹھے گا۔ عساری کی دو حدیثوں میں ہے کہ ایک میں ”ہما مومن“ اور دوسری میں ”ہما مسلم“ کے الفاظ آئے ہیں۔ درخت و پتھر پکار کر کہیں گے: تعالٰیٰ یہودی ورافہی کہ آؤ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ سوائے ایک فرقہ کے درخت کے جو اہل کے درخت کی طرح ہوتا ہے۔ حدیث میں قبیح کے قبرستان میں دو درخت تھے، اس لئے اسے قبیح فرقہ کہا جاتا تھا وہ یہودی چھپے ہوں گے جو اعلان نہیں کریگا۔ یہاں تک کہ سب کو ختم کر دیا جائیگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے اور پھر دنیا میں دوبارہ واپس آنے کے متعلق یہ سب کچھ اللہ کے نبی ﷺ نے بتلایا ہے جو عساری اور مسلم کی احادیث میں تفصیل سے درج ہے۔

سوال: سورۃ احزاب میں آتا ہے کہ اگر کوئی اپنی جان پر ظلم کرے تو اسے رسول کے پاس حاضر ہو کر مغفرت کی دعا کی درخواست کرنی ہوگی۔ وضاحت فرمائیں کہ اس حکم سے کیا مراد ہے؟

جواب: وہ آیت ہے: **وَالَّذِينَ اِظْلَمُواْ اَنْفُسَهُمْ**

جَنَآءَ وَاَنْ لَّا يَسْتَغْفِرُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ الرُّسُلَ لَوْ جَدُّوْا ۚ اللّٰهُ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء: ۶۴) ”اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر چکے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت مانگتے اور اللہ کا رسول بھی ان کیلئے مغفرت طلب کرتا تو اللہ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔“ یہ نبی ﷺ کی زندگی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی روش بتا کر اس کی توبہ کا اندھا بتایا ہے کہ یہ منافق ہیں جو آپ پر ایمان کے دعویدار بھی ہیں لیکن منافقت کا عالم یہ ہے کہ ان کو کوئی مسئلہ پیش آجائے تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے پاس فیصلہ کر داتے آئیں گے تو ان کے خلاف فیصلہ پڑے گا۔ تو یہ ایسے ظالم ہیں کہ اپنے بڑوں کے پاس چلے جاتے ہیں فیصلہ کروانے کے لئے اگویا کہ زبان سے ایمان کا اقرار کر کے یہ آپ ﷺ کی توبہ نہیں کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اس لائق نہیں مانتے کہ آپ ﷺ جو فیصلہ کریں اس پر یہ راضی ہو جائیں۔ تو مالک نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کسی نے یہ کیا تو اب اس کو توبہ کی توفیق ملے تو پہلی چیز تو یہ کہ اللہ سے توبہ کرے اور دوسری بات یہ ہے کہ جو اس نے سلوک کیا ہے اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کو حکم ماننے کے بجائے ان منافقوں کو یا یہودیوں کے سرداروں کو حکم بتلایا ہے، ان کا فیصلہ مانا ہے، تو ایمان کا مجموعہ اقرار کر کے صاف نبی ﷺ کی توبہ نہیں کی ہے، اللہ اجائیں ان کے پاس اور ان سے کہیں کہ میں نے آپ کو توبہ نہیں کی ہے کہ فیصلہ کروانے کے لئے ان منافقوں یا ان یہودیوں کے طاغوتوں کے پاس گیا ہوں اور اب میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں، آپ بھی اللہ سے میرے لئے مغفرت کی درخواست کیجئے! اللہ نے فرمایا اب کہیں جا کر تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ توبہ بات نبی ﷺ کے لئے ان کی زندگی تک مخصوص تھی۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ان قبر پرستوں نے کہ اب نبی ﷺ کی قبر پر جانا چاہئے اور ان سے مغفرت کی دعا کی درخواست کرنی چاہئے۔ تو ان سے کہئے کہ اس سے پہلے نبی ﷺ کو قبر میں زندہ مان کر قرآن کا سحر بنا پڑے گا۔ پھر ایک جھوٹی روایت لائے کہ ایک ہذا آیا اور اس نے یہ آیت پڑھی اور اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی قبر پر گر پڑا اور کہا کہ اللہ نے کہا ہے کہ جو اپنی جان پر ظلم کرے تو اللہ سے استغفار کرے اور نبی ﷺ بھی اس کے لئے استغفار کرے تو میں اپنی جان پر ظلم کر کے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔

آپ ﷺ میرے لئے استغفار کریں، تو اللہ سے توبہ آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا۔ تو یہ بالکل جھوٹی روایت ہے۔“ یہ حوالہ یہ ملے ”میں پوری سند لکھ کر اس کا مجموعہ ہوا میں واضح کر چکا ہوں۔ قبر پرستی کا شرک پھیلانے کے لئے اس طرح کی جھوٹی روایتیں بنائی گئی ہیں اور امت کو قبر پرستی کے شرک میں مبتلا کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دی گئی ہے۔

بقیہ قافلہ ہے رواں دواں

نئے ساتھی اور ارشد ظفر صاحب کے فرزند عثمان عبد اللہ نے بھی مختصر مگر پر جوش تقریر کی، جس میں انہوں نے فرمان رسول کے خلاف پختہ قبروں اور محارقات کو خرابی کی جز قرار دیا، جہاں جا کر لوگ قبر والوں کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے ہیں یا اپنی دعاؤں میں ان کو واسطہ اور وسیلہ بناتے ہیں، جو شرک ہے۔

اس کے بعد حسین خالد صاحب نے پاکستان میں دعوت دین کے تعلق سے مختصر رپورٹ پیش کی جس کے بعد ایک دوسرے تو عمر ساتھی، ٹیکس سے آنے والے عمران قیصر صاحب کے فرزند نوفل نے اپنی مختصر تقریر میں بتایا کہ انسانیت کی فلاح فقائے امت میں مضرب ہے کہ اللہ پر سچا اور گھر ایمان لایا جائے اور اس کی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات وغیرہ میں کسی انداز سے بھی کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ کھانے اور صلوٰۃ وغیرہ کے وقت کے بعد شرک کا اجتماع کے درمیان آنکھ اجٹا کر اور اس کے پروگرام کے تعلق سے باہمی مشاورت اور گفت و شنید ہوئی، جس کے بعد یہ دوروزہ اجتماع ارشد ظفر صاحب کی تقریر پر اختتام پذیر ہوا۔ انمول سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۱۹ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ) کے حوالے سے شرکاء اجتماع کو اعمال اور روزمرہ زندگی کے معاملات کی اصلاح اور اس سلسلے میں تقویٰ اختیار کرنے کی تحفیں کی تاکہ ہماری زندگیوں کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق اسلامی سانچے میں وحلقہ چلی جائیں۔ ہمارا ایمان ہمیں خود اختیاری کی طرف مائل رکھے تاکہ ہماری کمزوریوں کی اصلاح ہوتی رہے اور اس طرح ہماری سیرت و کردار کی تعمیر تقوے کی جہاد پر ہو اور ہمارے باہمی تعلقات بھی اسی جہاد پر انحصار سے عبارت ہوں۔

یہ اجتماع جموئی طور پر کافی بھر پور شرکاء کی تعداد بھی گزشتہ اجتماعات کے مقابلے میں حوصلہ افزاری۔ آنکھ اجٹا کر کے بارے میں باہمی مشاورت سے ملے پایا کہ وہ انشاء اللہ ۲۷ اور ۲۸ اگست ۱۹۹۹ء کو بیچ شمن (ٹیکس) میں ہوگا۔

دینِ خالص

عرب سے بھا تھا جو دریائے نور سرت کے موقع پہ کیوں نکل ہو تمدن میں ہم ہیں جو مثل ہنود یہ "تہذیب" انسان کو حیوان بنائے
 بلاخر ہوا اس میں پیدا فخر بھی دل کے ارمان پورے کرو تو فیشن میں مثل نصاریٰ و یہود کھڑے ہو کے نہتے، کھڑے ہو کے کھائے!
 وہ دریائے خالص تو علم ہو گیا پھر ایسے مواقع پہ میرے عزیز کہ تہذیب مغرب جو اپنائی ہے تو اب ہو ذکر رسوم و اوقات
 تھوپی کے صحرائوں میں کھو گیا صحیح و غلط کی بھی کیسی تمیز؟ لڑائی کی ہر ہر ادا بھائی ہے یہاں بدعتوں کی ہے گویا برات!
 وہ قرآن و سنت کا سادہ سادہ رسم و غیروں کی رسمیں بھی اپنائی ہیں جو ہر سال یوم ولادت مثلاً کسی گھر میں ہو جائے میت اگر
 نہ جائے کہاں ہے؟ یہاں تو نہیں جڑو کی، کہ ہندو ہیں، عیسائی ہیں! تو پھر بدعت ڈے پارتی بھی سہاؤ تو اس آگیا پتھروں میں وہ گھر
 یہاں بدعتوں کی تو بھر مار ہے یہ مقلد کی، شادی کی بے جا رسوم کئے کیک، لوہے سے شمعیں بھیں کہ نیچے پہ تل فاقہ بھی کرو
 پہ سنت پہ چلنا بھی اک عار ہے ہیں آخر بھی ہندو کہ رسوم بھیں تالیاں اور تھپے ملیں بھی دوستوں کو کھلاؤ پلاؤ
 نبیؐ نے کہا: "دین آسان ہے" یہ مندی کی بدودہ رسمیں تمام یہ دلائی منڈانا ہے کس کا شعار؟ ہو سادہ سادہ سواں کہ دھواں
 مگر اپنے مذہب کی یہ شان ہے حیاداری کا کریں قتل عام یہ مونٹیں بڑھانا ہے کیا القار؟ کمر دھوم سے ہوگا چالیسواں
 ولادت سے انسان کی لے تا وفات یہ برات کی ایک گھر پہ چڑھائی یہ قول نبیؐ ہے کہ دلائی بڑھائے جو ہر سال برسی کرو، خوب ہے
 یہاں سے وہاں تک دو صد مشکلات و لسن جیت لانے کی ہے یہ لڑائی کھڑو مونٹھوں کو، پھوٹی کرو اسے چھوڑ دینا تو معیوب ہے
 ازان آکے چے گو ملکا سنائے عجب لڑکی والوں پہ ہے یہ دہائے بے پردگی، نیم عریاں لباس وہ دنیا مکمل، سرپا مکمل
 وہ پیسے بھی لے اور مصائی بھی کھائے کہ بھٹی بھی دو اور ڈنر بھی کھلاؤ ہوا عورتوں کی حیا کا یہ غاس! وہ اغلاص و تقویٰ میں ضرب الشل
 حقیقے پہ دعوت کا ہو اہتمام بھی بس نہیں، اب دلاؤ جینز تراشیدہ اندو، یہ مردانہ بال وہ لب رہ گیا چند رسموں کا کھیل
 نہ بیٹھا ہو شامل، وہ کیسا طعام؟ فرج، کار، ٹی وی کہ اک ٹکس رہے تصنع تکلف ہے جہاں کا وہاں لیا کاریوں کی یہاں ریل تیل
 جو پچے کے پورے ہوئے چار سال یہ دولہا کا سہرا یہ کیسا نقاب؟ یہ ہاتھوں کے ٹخن بڑھانے کی بریت الٹی! ملاوٹ سے ہم کو بچا
 تو "مکرم اللہ خوئی" کا ہوگا خیال ہے بے پردہ زن، مرد اندر حجاب! ہے انسان کی ہار لور درندوں کی جیت ہمیں دین خالص پہ اپنے چلا
 لیا جبکہ چے لے اللہ کا نام خیر بھی ہے کچھ اے جہول و ظلوم خواتین کے ہونٹ ہیں لال یوں الٹی! پھر اسلام کو آپ دے
 تو کیا جشن کا بھی نہ ہو اہتمام! کہاڑ میں شامل ہیں ایسی رسوم کہ لٹی کے ہونٹوں پہ چوہے کاخوں! ہمیں ملتی ملتی خطاب دے

آسی جوناکڑھی

مدد کس سے مانگی جائے؟

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّي أَعْلِمُكَ كَلِمَاتٍ إِحْفِظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ إِحْفِظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاجَتْ مَتَّى عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَفْلاَمُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ -

”عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں ایک روز (سواری پر) نبی ﷺ کے پیچھے تھا۔ آپؐ نے فرمایا، ”اے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو گے تو وہ تم کو یاد رکھے گا۔ تم اس کو یاد رکھو گے تو تم اس کو (ہر مشکل میں) اپنے آگے پاؤ گے۔ اور دیکھو جب بھی تم سوال کرو تو اللہ ہی سے کرنا، اور جب بھی مدد مانگو تو اللہ ہی سے مدد مانگنا۔ اور جان لو کہ اگر ساری اُمت تمہیں نفع دینے کے لئے جمع ہو جائے تو ہرگز کوئی نفع نہیں دے سکتی مگر جو اللہ نے لکھ دیا اور اگر (سب) جمع ہو جائیں تمہیں تکلیف دینے پر تو تمہیں کوئی تکلیف بھی نہیں دے سکتے مگر جو اللہ نے لکھ دی۔ (تقدیر لکھنے والے) قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور (اس کے) نوشتے سوکھ گئے ہیں۔“ (جامع ترمذی، ابواب صفۃ القمۃ)